شمارہ نمبر ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جولائی ۲۰۲۳ء

وقل جآء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

مجلّہ پشاور

راہ ہدایت

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

(واٹس ایپ رابطہ نمبر:03428970409)

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد　　یااللہ مدد　　عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد

بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ　　پشاور

راہِ ہدایت

»»»(فہرست مضامین)«««

نوٹ: گزشتہ شماروں کی پی ڈی ایف حاصل کرنے کے لئے 03428970409 پر واٹس ایپ کیجئے۔

=÷=

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ پر
مسئلہ حیات میں نقطہ اختلاف نہ سمجھنے کی الزام کا جواب

حضرت مولانا اجود حقانی صاحب مہتمم جامعہ حسینیہ علی پور والوں نے اعلان کیا ہے فیس بک پر، کہ قسط وار رئیس المناظرین حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے حالات قسط وار لکھوں گا۔ شیخ نے حضرت اقدس رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک مضمون لکھا۔ جس کو راقم سمیت کئی حضرات نے شیئر کیا، جہاں یہ مضمون حضرت اوکاڑویؒ کے مداحین اور نام لیوا حضرات کے لیے تسکین الصدور ثابت ہوا وہاں مماتیوں کے لیے تشویش الصدور بھی بنا۔

ہمارے ایک مخلص ساتھی نے ایک مماتی کے کمنٹ کا سکرین شاٹ بھیجا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہی مناظر صاحب ہیں (حضرت اوکاڑویؒ کی طرف اشارہ کیا) جس کو آخر تک مماتیوں کے ساتھ نقطہ اختلاف سمجھ نہیں آیا۔ اصل میں ان حضرات کو اوکاڑویؒ سے تکلیف یہی ہے کہ حضرت اقدسؒ نے ان مماتیوں کی دگتی رگوں کو کاٹا ہے۔ اور آج تک مماتی گالیاں نکالتے ہیں لیکن ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ جب کہ حضرت اقدسؒ خلدبرین میں رب تعالی کے اکرام وانعام سے متلذذ ہے یہی اللہ تعالیٰ سے امید ہے۔ خیر میں نے اپنے دوست کو یہی لکھا کہ یہ خضر حیات بکھروی کا جھوٹ ہے اس کے بعد ان کی ذریت اس کو چاٹ رہے ہیں۔ مماتی مولوی حضر حیات نے اکابر کا باغی کون! نامی کتاب لکھ کر جھوٹ سے اوراق سیاہ کئے ہیں۔ عبارات میں قطع وبرید، سیاق وسباق سے کاٹ کاٹ کر مطلب ومفہوم کو کہاں سے کہاں پہنچادیا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہیں صرف ایک مثال پر اکتفاء کرکے اصل اعتراض کی طرف آتے ہیں، لکھتے ہیں کہ

> "ایک مرتبہ دو نوجوان علماء جو کہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب کے شاگرد بھی تھے مولانا سے شکوہ کرنے لگے کہ حضرت ہم آپ کے شاگرد بھی ہیں اور ہم نے دورہ حدیث بھی فلاں مدرسہ سے کیا ہے اور امین نے کسی مدرسہ سے دورہ حدیث نہیں کیا آپ اسے ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس پر آپ کی شفقت ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ یہ باتیں سن کر مولانا خاموش رہے

۔جب انہوں نے پھر اپنی حق تلفی کا ذکر کیا اور اصرار کیا کہ آپ امین پر شفقت و محبت ضائع نہ کریں۔ اس کے مستحق تو ہم ہیں۔ تو مولانا نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے کہ امین نے تمہاری طرح کسی بڑے مدرسہ سے دورہ حدیث نہیں کیا۔"

(اکابر کا باغی کون مولف خضر حیات بکھروی 30)

حضر حیات نے یہاں تک عبارت نقل کی تجلیات صفدر سے، جس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہے کہ حضرت اوکاڑویؒ تو عالم نہیں تھے اور نہ ہی کسی مدرسے کے فاضل۔ اور آگے جو عبارت ہے اس کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کیا اور ڈکار تک نہیں لیا۔ اگر آگے عبارت نقل کرتا تو پھر مطلب صاف تھا کہ حضرت اوکاڑویؒ کا مدرک علم بہت اونچا ہے جس تک پہنچنے کے لیے کسی مماتی میں دم نہیں۔ آگے حضرت عبد المجید لدھیانویؒ کی عبارت اصل کتاب تجلیات صفدر سے ملاحظہ کریں۔

مولانا نے جواب دیا: ٹھیک ہے کہ امین نے تمہاری طرح کسی بڑے مدرسہ سے دورہ حدیث نہیں کیا لیکن اسے آب حیات حضرت نانوتویؒ کی کتاب آتی ہے تم اس کا ایک صفحہ پڑھ کر مجھے سمجھا دو تو میں امین کو چھوڑ دوں گا۔ اس پر دونوں حضرات مبہوت ہو گئے اور مولانا سے ناراض ہو کر چلے گئے۔

(تجلیات صفدر 1/50)

مکمل عبارت جب سامنے آئی تو حضرت اوکاڑویؒ کی سطح علم کے سامنے پھر وہ بڑے مدرسے کے فاضل بھی نہ ٹھر سکے۔ لیکن کیا کریں مماتیوں نے بھی لاتقربوا الصلوۃ کا ورد شروع کی ہے اور وانتم سکرٰی کو نہیں دیکھتے۔ جبکہ تحریف کرنا یہودیوں کی صفت ہے اور یہ صفت بریلویوں کی طرح حضر حیات اور انکے اتباع واذناب میں بھی سرایت کر گئی ہے۔

دوسری بات: کسی بڑے جامعہ سے فاضل ہونا علم پر دلالت نہیں کرتا جب تک علم آپ کی جسم سے عبارت نہ ہو۔ کتنے فضلاء جو جامعات سے فارغ ہیں لیکن ان کو علم کی شد بد تک نہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں خود حضر حیات کو دیکھیے۔ اشاعت اسلام خضرو اٹک کے فارغ التحصیل ہے لیکن اردو عبارات تک نہیں سمجھتے۔ تو کیا ان کو ہم عالم سمجھیں گے حاشا وکلا۔

تیسری بات: جب تک ان دیار میں مدارس کا نظام نہیں تھا تو لوگ بڑے بڑے اکابر کے پاس رہتے اور ان سے علوم حاصل کرتے تو کیا ان کے متعلق یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ کسی بڑے جامعہ کے فاضل نہیں لہذا وہ علماء نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اپنی جہالت پر روئیں۔

چوتھی اور سب سے اہم بات: حضرت اوکاڑویؒ دینی تعلیم کا آغاز غیر مقلدین کے مدرسہ میں کیا. پھر جب حنفیت کو اپنایا تو پھر مولانا عبد الحنان صاحبؒ اور مولانا عبد القدیر صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ یہ دونوں حضرات، فضلا دیوبند تھے اور غالباً دونوں ہی، حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت اوکاڑویؒ نے علوم و فنون کی کتب ان سے پڑھیں یہاں تک کہ حدیث کی کتب بھی۔ لہٰذا اوکاڑویؒ کے عالم فاضل ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا۔ اس دور ہی میں، اوکاڑویؒ کے استاد مولانا عبد الحنانؒ نے ان کی تعریف کچھ یوں فرمائی

"امین عجیب آدمی ہے، ہم زمین کی باتیں کرتے ہیں اور یہ آسمان کی باتیں سناتا ہے"

نیز وہاں کہ ایک نامور عالم، مولانا ضیاء الدین سیوہارویؒ نے فرمایا کہ

"امین اتنا ذہین ہے کہ مجھے کبھی احساس ہوتا ہے کہ یہ انور شاہ ثانی ہے"

زندگی بھر اوکاڑویؒ نے علوم و فنون پر دسترس و مہارت کا جو مظاہرہ کیا اور جن جلیل القدر علماء کرام نے ان کی علمیت کو سراہا، اس کے لئے الگ سے ایک پورا مضمون لکھا جائے تو بہتر ہے۔

(تجلیات صفدر جلد اول صفحہ 44/45)

اب آتے ہیں اصل بات کی طرف کہ حضرت اوکاڑویؒ کو مماتیوں کے ساتھ نقطہ اختلاف سمجھ نہیں آیا تھا۔ یہ بات بھی حضر حیات بکھروی نے لکھی ہے اور باقی مماتی چاٹ رہے ہیں لیکن یہاں بھی اس نے دیانت کا خون کیا ہے اور مفتی عبد القدوس ترمذیؒ کی آدھی عبارت کو نقل کیا ہے اور آدھی کو ماں کا دودھ سمجھ کر پی لیا ہے۔ پہلے بھکروی کی دم کٹا عبارت ملاحظہ کریں۔

> حضرت اوکاڑوی ایک مرتبہ ساہیوال تشریف لائے اور حضرت والد صاحب قدس سرہ سے فرمایا کہ میں نے حیات النبیؐ کے موضوع پر منکرین حیات کے عمائدین سے مناظرے کیے ہیں اور مناظروں میں ان کو شکست فاش بھی دی، پھر اس موضوع کے متعلق کافی کتب، تحریرات کا بغور مطالعہ بھی کیا لیکن مجھے اب تک منقح طور پر واضح نہیں ہوا کہ ہمارے اور فریق مخالف کے

مابین محل نزاع کیا ہے؟ اس پر حضرت نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس سے محل نزاع کی قدرے تعین ہوئی مگر مولانا اوکاڑوی فرماتے تھے کہ مجھے پورے طور پر اطمینان نہیں ہوا اور میں واپس چلا آیا۔

(اکابر کا باغی کون 31)

قبل اس سے کہ اس واقعے کا پس منظر اور جواب لکھوں۔ آگے کی پورا عبارت ملاحظہ کریں اصل کتاب سے۔ آگے کی عبارت

پھر کچھ عرصہ بعد ساہیوال جامعہ حقانیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حضرت دروازہ میں کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ میں تمہیں یاد کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھیج دیا۔ ہنس کر فرمایا کہ تم لوگ کرامتوں کے قائل نہیں ہو۔ کیا یہ کرامت نہیں کہ تم اس وقت پہنچ گئے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تمہیں اس لیے یاد کر رہا تھا کہ آپ نے جو سوال کیا تھا اس کا تفصیلی جواب مل گیا ہے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وہ آپ تک پہنچا دوں۔ پھر حضرت نے مجھے وہ مفصل تحریر پڑھ کر سنائی جو اس موضوع سے متعلق حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے تحریر فرمائی تھی۔ اس میں واضح طور پر محل نزاع اور موضوع کا تعین تھا۔

(ماہنامہ الخیر خصوصی نمبر اوکاڑوی 238/239)

پوری عبارت سامنے آئی تو حضر حیات اور ان کی زریت کی جہالت بھی سامنے آئی جو آدھی عبارت سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امین اوکاڑویؒ کو نقطہ اختلاف کا پتہ نہیں تھا۔ اگر یہ جگہ ظاہری مطلب پر محمول ہے تو عبارت کا آخری حصہ جس میں یہ ہے کہ اس کے بعد محل نزاع کا تعین ہوا وہ ظاہر پر کیوں حمل نہیں۔ کہ حضرت کو بعد میں نقطہ اختلاف سمجھ آیا تھا۔

دوسری بات: اصل میں حضرت اوکاڑویؒ نے یہ بات مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کے سامنے تواضعا کہی ہے ورنہ اس عبارت میں خود موجود ہے کہ مسئلہ حیات پر میں نے مماتیوں سے کئی مناظرے کیے ہیں۔ الخ۔ اب آپ بتائیں کہ موضوع کا کسی کو پتہ نہ ہو، نقطہ اختلاف کا پتہ نہ ہو تو وہ میدان مناظرہ میں کود پڑتا ہے کبھی، جبکہ آگے حضرت کی صاف اعلان موجود ہے کہ ان مناظروں میں مماتیوں کو شکست پاش بھی دیا ہے۔

=÷=

تیسری بات: اس مضمون میں پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت اوکاڑویؒ کو حضرت نانوتویؒ کی کتاب آب حیات پر کتنا عبور تھا۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ حضرت نانوتویؒ کی کتب کتنی مشکل ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے کیسے عمیق و دقیق علم چاہئے۔ بھلا حضرت اوکاڑویؒ مماتیوں کے ساتھ اختلاف نہ سمجھ کر کتاب آب حیات سمجھ بھی گئے اور اس کو سمجھانا بھی جانتے تھے؟ یہ مسئلہ (مماتیوں کے ساتھ اختلاف) تو ہم بارہ یا دس دن کے دورہ عقائد میں طلباء کو سمجھاتے ہیں اور وہ ہمارے سامنے پھر مشقی مناظرہ بھی کرتے ہیں۔ جب ایک طالب علم دس بارہ دن میں اس مسئلہ کو سمجھتا ہے تو وہ شخص جس نے تمام عمر عیسائیوں، مرزائیوں، روافض، غیر مقلدین، بریلویوں حتیٰ کہ تمام فرق ضالہ کے ساتھ مناظرے کیے وہ اس ایک موضوع پر نقطہ اختلاف کو نہیں سمجھا تھا۔ حاشا وکلا۔ اصل بات یہی ہے کہ حضرت ترمذیؒ بڑے تھے اور بڑوں کے سامنے ہمارے علماء بہت تواضع وعاجزی سے پیش آتے ہے تو یہ بات تواضعا حضرت کر گئے ہیں۔ ہر جگہ بات ظاہر پر محمول نہیں ہوتی ورنہ اس واقعہ میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت ترمذیؒ نے حضرت اوکاڑویؒ کو یہ بھی کہا کہ آپ کراماتوں کے منکر ہیں الخ۔ کیا یہ بات درست ہے کہ حضرت کرامات کے منکر تھے۔ نہیں بالکل نہیں کیونکہ کرامت پر تو مستقل حضرت کی درس موجود ہے۔ بلکہ حضرت ترمذیؒ کا یہ جملہ چھوٹوں کے ساتھ خوش طبعی پر محمول ہے اسی طرح اوکاڑویؒ کا جملہ تواضع پر محمول ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا خط غیر مقلد اور بریلوی پیش کرتے ہے جس میں حضرت گنگوہیؒ نے حاجی صاحب کو لکھا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جھوٹا ہوں الخ۔ تو کیا حضر حیات بکھروی اور ان کی زریت اس عبارت کو بھی ظاہر پر حمل کر کے حضرت گنگوہیؒ کو جھوٹا کہیں گے معاذ اللہ، یا یہ کہیں گے کہ تواضع پر حمل ہے؟

=÷

حضرت مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی مدظلہ العالی

صاحبزادہ، خانوادہ، اور قطب العالم

گزشتہ کئی ماہ سے ملتان کے کفیلان یزید کی سرپرستی میں حجۃ اللہ فی الارض پاسبان مسلک احناف رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے خلاف سوشل میڈیا پر ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ جب تنگ آمد بجنگ آمد کے تحت مولانا ساجد خان نقشبندی سلمہ اللہ تعالی نے اپنے دادا استاد مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کے دفاع میں ایک کلپ ریکارڈ کروایا جس میں ان کے دجل و تلبیس کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ملتان کے سرخ پوش یزیدیوں ناصبیوں اور خاص کر ان کے اعلیٰ حضرت کفیل کو دعوت مناظرہ دی۔ اور ساتھ بڑے پر اعتاد لہجے میں یہ پیش گوئی بھی کر دی کہ کفیل شاہ کبھی بھی میرے سامنے مناظرے کے لیے نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ وہ ایک جاہل آدمی ہے نہ درس نظامی پڑھا ہے نہ کتب کی تدریس کی ہے نہ ہی ایک صفحہ عربی کتاب کی عبارت پڑھ سکتا ہے۔ یہ چیلنج ملتان کے سرخ پوش یزیدیوں کے لیے صور اسرافیل ثابت ہوا۔ اور تاہنوز یزیدیوں کی صفوں میں ماتم برپا ہے۔ سچ ہے

چوں خدا خواہد پردہ کس درد
میلشن در طعن پاکاں زند

ترجمہ: جب اللہ تعالی کسی کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے نیک بندوں پر طعنہ زنی پر لگا دیتا ہے۔

اب تک تو امیر شریعت کے صاحبزادوں اور پھر ان کے جانشین کفیل یزیدی کی جہالت پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب خدا نے چاہا کہ اس پردہ کو فاش کیا جائے تو انہوں نے رئیس المناظرین کے خلاف اچھل کود شروع کر دی۔ انہیں علم ہی نہیں تھا کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں ہر ایک شیر ہے۔

شعر:

قاصرے گر کنند ایں طائفہ راطعن وقصور
حاش للّہ کہ برارم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیراں جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

=÷=

ترجمہ:

اگر کوئی قاصر لگائے طعنہ ان کے حال پر

توبہ توبہ گر زبان پر لاؤں میں اس کا گلہ

شیر ہے جکڑے ہوئے اس سلسلے میں سب کے سب

ٹوٹ جائے لومڑی سے کیسے پھر یہ سلسلہ

اب جب فرزندان اوکاڑوی جو کہ اس دور میں مسلک اہل سنت کے حقیقی ترجمان اور وارث ہیں ان کا سامنا کرنا انہیں سکرۃ الموت نظر آتا ہے۔ اب کچھ منافقین اور کچھ سادہ لوح لوگوں کو میدان میں اتار دیا کہ خانوادہ امیر شریعت کو کچھ نہ کہو، صاحبزدگان امیر شریعت کی جہالتوں کا پردہ نہ چاک کرو۔ یہ کسی کو نظر نہیں آتا کہ خانوادہ امیر شریعت دیوبند سے پاکستان کی لیٹرین کو اچھا کہہ دیں، امیر عزیمت کو ایجنسیوں کی پیداوار کہہ دیں۔ قطب العصر سید محمد امین شاہ جیسی عظیم روحانی ہستی کی مسجد میں جھوٹا حوالہ پیش کر دیں۔ مولانا اوکاڑوی کے سامنے البدایہ والنہایۃ کی 7 کی بجائے 16 جلدیں بنا دیں۔ مگر حوالہ پھر بھی نہ دکھا سکیں۔ کیا یہ ایسی مقدس گائے ہے کہ پھر بھی ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ اہل بدعت کا تو یہ شعار رہا ہے کہ مشائخ کی اولاد کتنی ہی نااہل ہو مگر اس کو گدی نشین بنا دیا جاتا ہے۔ جب کہ ہمارے اکابر کے ہاں یہ چیز ناپید تھی اور معیوب تھی۔

بحر العلوم سلطان العلماء حضرت علامہ خالد محمود صاحب (پی ایچ ڈی لندن) نور اللہ مرقدہ نے تصوف و سلوک پر جو کتاب "آثار الاحسان" لکھی ہے وہ اس دور کا عظیم شاہکار ہے۔ تصوف پر اس سے بہتر کتاب شاید ہی کوئی اور لکھی گئی ہو۔ آبروئے تصوف فخر سادات امام الاولیاء حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں درساً اس کی تعلیم کروائی۔ جب کتاب مکمل ہوئی تو حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں کئی ہزار روپے نذرانہ پیش کیا۔ اس میں حضرت علامہ صاحب خود ہی ایک سوال قائم کر کے لکھتے ہیں۔

سوال: یہ صحیح ہے کہ اسلام میں بحر شریعت کے ساتھ بحر طریقت بھی شروع سے بہتا چلا آیا ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس دور میں تصوف زیادہ تر ایک پیشے کی صورت اختیار کر گیا باپ کے بعد بیٹا جانشین ہوتا ہے اور معتقدین ولی بن ولی کے عنوان سے ایک نیا ولی مارکیٹ میں لیے آتے ہیں۔

آگے علامہ صاحب لکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں سیاسی خلافت اولاد میں چلنے لگی تو سیاست ہاتھ سے گئی اور روحانی جانشین اولاد سے ہونے لگے تو لوگ مقام ولایت کو کھو گئے۔جب خلافتیں اور جانشینیاں اولاد میں چلیں تو اخلاق کا تنزل کس قدر ہوا۔

خانوادہ امیر شریعت کے ہی ایک گدی نشین عطاء اللہ ثالث نامی شخص ہے جو ممکن ہے کفیل یزید کے بعد خانوادہ امیر شریعت کا واحد کفیل بن جائے ذرا اس کا اخلاق ملاحظہ کریں۔

عبدالواجد لطیف

اس کا ایک خلیفہ لکھتا ہے

کل سارا دن میں اپنے مرشد کے ساتھ کبیر والہ کے علاقے ممد ال،اور پل باگڑ سرگانہ،اور جامعہ سراج العلوم کبیر والہ تھا۔وہاں الحمد للہ مرشد سے فیوض وبرکات سمیٹنے کا موقع ملا۔۔

پھر کراچی کے کالے زندیق ساجد نقشبندی کا ذکر بھی ہوا۔

تو پل باگڑ کے ایک دوست نے پوچھا مرشد سے کہ یہ ساجد نقشبندی کبھی نقشبندی کہلواتا ہے۔اور کبھی دوست محمد قندھاری کہلواتا ہے یہ کیا ماجرا ہے۔مرشد چند منٹ خاموش رہے۔

پھر گویا ہوا

"ایدھے پیوڈو ہن۔ہک نقشبند دا۔۔ہک قندھار دا"

مطلب

اس کے باپ دو تھے۔ایک نقشبند کا۔۔ایک قندھار کا۔۔

پھر مرشد فرمانے لگے۔۔کہ نقشبند والے باپ اور اس کے خاندان کی طرف جاتا ہے۔تو نقشبندی بن جاتا ہے۔اور قندھار والے باپ اور اس کے خاندان کے پاس جاتا ہے تو قندھاری کہلواتا ہے۔میں فارغ بیٹھا تھا۔سوچا کہ کالے پوش زندیق ساجد نقشبندی قندھاری کی یہ حقیقت بھی بتادوں۔

خلیفہ محمد عبدالواجد لطیف ملتان

=÷=

یہ خانوادہ کی پیری مریدی نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ خانقاہیں روحانیت سے خالی ہو گئیں۔ سید نفیس شاہ صاحب اس غم کو شعر کی لڑی میں پروتے ہیں۔

نفیس کیسا ہے وقت آیا سلوک واحسان کے سلسلوں پر
جہاں مشائخ کی رونقیں تھیں وہ خانقاہیں ترس رہی ہیں

قطب العالم برکۃ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی آپ بیتی میں اس بات کا ذکر کئی مقام پر کیا ہے کہ صاحبزادگی کا سوَر بہت دیر سے نکلتا ہے۔

صاحبزادوں کی جب تربیت درست نہ ہو اور اندر کا تکبر اور غرور نہ نکلا ہو تو پھر اس کا نقصان عام آدمیوں کے نقصان سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال خانوادہ امیر شریعت کے دیئے گئے نقصانات ہیں۔

اب باقی رہا یہ اشکال کہ ان کی جہالتوں کو کیوں واضح کیا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ آپ جرح وتعدیل کے متعلق تمام کتب اٹھالیں زیادہ نہیں کر سکتے تو مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، کا ہی مطالعہ کر لیں۔ ان میں یہ اصول موجود ہے کی جرح کرنے والے کو دیکھا جاتا ہے کہ اس کا علم کیا ہے، مرتبہ کیا ہے، عادل ہے، متعصب تو نہیں **متعنت** تو نہیں متشدد تو نہیں، خانوادہ امیر شریعت کو جس کا چالیس سال سے اس میدان میں هل من مبارز کا نعرہ لگا رہا ہے۔ کبھی امیر عزیمتؒ پر الزام تراشی ہے تو کبھی قاضی مظہر حسینؒ پر۔ کبھی دیوبند کو لیٹرین سے بدتر کہا جارہا ہے کبھی فاروقی شہیدؒ کو تھپڑ لگایا جارہا ہے۔

ہم نے سوچا کہ ذرا ان ائمہ یزیدیت کی علمی روحانی اخلاقی حیثیت پر تو نظر کر لیں جب کی تو ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کہ ان میں سے کسی نے نہ پورا درس نظامی پڑھا نہ کبھی مکمل درس وتدریس کی توفیق نصیب ہوئی۔ نہ یہ لوگ حنفیت کی خدمت کر سکے نہ علمائے دیوبند کی وکالت۔ ان کی ساری زندگیاں اپنوں سے دست و گریباں ہونے میں گزری ہیں۔ نوبت بایں جارسید کہ ان مسلمہ شخصیات کے گریبانوں تک ان کے ہاتھ جا پہنچے۔ جن کی امامت وسیادت تمام ہم عصر علماء کے نزدیک مسلم تھی۔

مثلاً حجۃ اللہ فی الارض رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی علمی، تحقیقی، تصنیفی و تالیفی خدمات کا آج سے ربع صدی قبل تمام اکابرین دیوبند نے اقرار کیا تھا۔ خواہ وہ اصحاب حدیث

ہوں یا اصحاب فقہ، اصحاب تصوف ہو یا اصحاب تدریس سب نے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی امامت کی گواہی دی۔ کسی نے امین ملت کہا تو کسی نے قائد اہلسنت، کسی نے رئیس المناظرین کہا تو کسی نے پاسبان مسلک احناف، کسی نے فاتح عیسائیت کہا تو کسی نے فاتح رافضیت، کسی نے فاتح غیر مقلدیت کہا تو کسی نے فاتح مماتیت، یزیدیت۔ غرض ہم عصر علماء وفقہاء وصوفیاء واتقیاء سب کے سب مدح وتوصیف، توثیق وتعدیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اب سبیل مومنین کو ترک کرکے اور انتم شھداء اللہ فی الارض حدیث کو پس پشت ڈال کر ان کو سبائی رافضی زندیق اور معاذ اللہ کیا کیا بنا دیا۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ، اس لئے گزشتہ چند مضامین اس خانوادے کی علمی، عملی، تصنیفی، تحقیقی، خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے لکھے گئے۔ اور یہ تسلسل تیرہ سو سال سے امت میں چلا آرہا ہے۔ اس امت کا امتیاز ہی فن جرح وتعدیل کی تدوین ہے۔ اگر ہر دور کے لوگ علماء جرح و تعدیل کا راستہ روکتے اور خانوادہ خانوادہ کی رٹ لگا کر ابنائے اکابر کو جرح وتعدیل سے بچاتے رہتے تو آج کتب جرح وتعدیل ہزاروں راویان حدیث کے حالات سے خالی ہوتیں۔ اور امت ایک بڑے اندھیرے میں جا گرتی۔

کیا امام اہلسنت امام احمد بن حنبل کے بیٹے پر جرح نہیں کی گئی۔ اور تو اور ہمارے آخری دور میں صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے جو قرآن کی خدمت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے مگر کیا ان کے بیٹے نعمان آلوسی پر امام زاہد بن حسن الکوثریؒ نے جرح نہیں کی؟ ہمارا اب بھی مطالبہ ہے کہ امیر شریعت کے چاروں صاحبزادوں کے درس نظامی کا تمام تعلیمی ریکارڈ سامنے لایا جائے اور جناب کفیل صاحب کا بھی۔ لیکن اس پر ربع صدی اور بھی گزر جائے گی مگر ہم یہی کہتے رہ جائیں گے۔

بسیار آرزو کہ خاک شد

جب خانوادہ امیر شریعت کا علمی حدود اربعہ یہ ہے تو ان کو ائمہ اہل سنت کے گریبانوں تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا وہ اور ہی ہونگے جو سہیں ان کی جفائیں بے محل ہم کسی کا غمزہ بے جا اٹھا سکتے نہیں ہیں۔

محتاج دعا

محمد اقبال عثمانی صاحب

یکے از خدام خانقاہ ھٰذا

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمدپور شرقیہ

ترک رفع یدین کو قسمیں اُٹھا کر غیر ثابت کہنے والے غیر مقلد خطیبوں: یوسف پسروری اور سبطین شاہ کو منہ توڑ جواب

غیر مقلدین کا ترک رفع یدین کی حدیث کو ثابت مان کر ترک کی تائید کرنا اور اس پہ عمل پیرا ہونا

حدیثوں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر اونچ پیچ، سجدوں میں اور بوقت رکوع رفع یدین کرنا ثابت ہے مگر بعد میں ان سب مقامات کے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا صرف شروع والا رفع یدین اختیار فرمایا۔ ترک رفع یدین پر لکھی گئی کتب میں ایسی حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے جن سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شروع میں رفع یدین کیا، پھر نہیں کیا۔ دیکھئے درج ذیل کتب:

۱۔ نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح، تالیف حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ۔

۲۔ جز ترک رفع یدین مؤلفہ حضرت مولانا عبد الغفار ذہبی رحمہ اللہ۔

۳۔ تسکین العینین فی ترک رفع الیدین تالیف: مولانا نیاز احمد اوکاڑوی حفظہ اللہ۔

ہم اپنے اس مختصر مضمون میں ترک رفع یدین کی حدیثوں کا استیعاب نہیں کر سکتے۔ اس لیے صرف ایک حدیث درج کر کے اس کی تصحیح غیر مقلدین کی زبانی نقل کریں گے۔ پھر مزید یہ کہ غیر مقلدین کی طرف سے ترک رفع یدین کی تائید اور اُن کا اس پر عمل پیرا ہونا خود اُن کی اپنی تحریروں سے ثابت کریں گے ان شاء اللہ۔ اُمید ہے کہ غیر مقلدین کے یہ حوالہ جات یوسف پسروری اور سبطین شاہ وغیرہ غیر مقلد خطیبوں کی قسموں کو بے حیثیت اور فضول ظاہر کے لیے کافی ہیں۔ یوسف پسروری اور سبطین شاہ میں اگر ہمت ہے تو ہمارے اس مضمون کا جواب لکھیں۔

حدیث نبوی:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الا اُصلّیْ بِکُمْ صلوۃ رسُوْلِ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیْہِ وسلّم فصلّی فلمْ یرْفعْ یدیْہِ اِلاّ فِیْ اوّلِ مرّۃٍ۔ (سنن ترمذی: ۱/۵۹، دوسرا نسخہ ۱/۳۵)

=÷=

ترجمہ: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف پہلی مرتبہ رفع یدین کیا۔

حدیث ابن مسعود کے صحیح ہونے پر ابن حزم اور غیر مقلدین کے حوالے

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے صحیح قرار دیا مگر ہم "والفضل ما شهدت به الاعداء، فضیلت تو وہی ہے جس کی مخالف بھی گواہی دے" کے پیش نظر غیر مقلدین کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں۔ ان حوالہ جات سے پہلے علامہ ابن حزم ظاہری کا حوالہ بھی اس وجہ سے نقل کر دیتے ہیں کہ غیر مقلدین نے انہیں اپنا "غیر مقلد" لکھا ہوا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) علامہ ابن حزم ظاہری اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"اِنَّ هذا الْخبْر صحِيْحٌ، بلاشبہ یہ حدیث صحیح ہے" (المحلی: ۴/۸۸)

چوں کہ اُن کے نزدیک ترک رفع یدین کی حدیث صحیح ہے اس لیے ترک رفع یدین والی نماز کو انہوں نے "نمازِ نبوی" قرار دیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اِنْ لَمْ نرْفعْ فقدْ صلّيْنا كما كان رسُوْلُ اللّٰہِ صلى الله عليه وسلم يُصلى، اگر ہم رفع یدین نہ کریں تو یقیناً ہم نے ایسی نماز پڑھی جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

(المحلی: ۳/۲۳۵)

ابن حزم کو عام لوگ ظاہری کہتے ہیں مگر غیر مقلدین انہیں اپنا ہم مذہب کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے انہیں "غیر مقلد" لکھا ہے۔ (مقالات: ۲/۲۴۵)

(۲) محمد ناصر الدین البانی غیر مقلد نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا:

"والْحقُّ انّه حدِيْثٌ صحِيْحٌ و اسْنادُه صحِيْحٌ على شرْطِ مُسْلِمٍ وَ لمْ نجدْ لِمنْ اعلّه حُجّةً يَصْلحُ التّعلُّقُ بها وردَّ الْحدِيْثُ مِنْ اجلها۔"

(تحقیق مشکوۃ المصابیح: ۱/۲۵۴)

ترجمہ: اور حق بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ہمیں ان کی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے استدلال درست ہو اور اس کی وجہ سے حدیث کو رد کیا جاسکے۔

(۳)علامہ احمد شاکر غیر مقلد اِس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"هُوَ حدِيْثٌ صحِيْحٌ وحسَّنہُ التِّرْمِذِیْ، یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔

(حاشیہ محلی ابن حزم:۴/۸۷)

علامہ احمد شاکر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"هذا الْحدِيْثُ صحَّحہُ ابْنُ حزْمٍ وَّغيْرُہٗ مِن الْحُفَّاظِ وهُو حدِيْثٌ صحِيْحٌ وما قالوْہ فِیْ تعْلِيْلہٖ لِيْس بعِلَّۃٍ۔"

(شرح ترمذی:۲/۳۵)

ترجمہ: اس حدیث کو ابن حزم وغیرہ حفاظ حدیث نے صحیح کہا اور واقعۃً یہ حدیث صحیح ہے اور لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف بنانے کے لیے جو کچھ کہا وہ ضعف کی دلیل نہیں ہے۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کی زیر ادارت نکلنے والے رسالہ "الحدیث" میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ترک رفع یدین کی حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

"امام ابن حزم رحمہ اللہ، علامہ البانی رحمہ اللہ، علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح یا تحسین کی ہے۔"

(مقالات الحدیث:۴۶۵)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"شیخ احمد شاکر اور البانی وغیر ھما کا صحیح قرار دینا"(توضیح الاحکام:۲/۸۱)

مذکورہ عبارتیں نقل کرنے کی غرض یہ بتانا ہے کہ علی زئی کو بھی معلوم تھا کہ ابن حزم، البانی اور احمد شاکر نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحیح کہا ہے۔

=÷=

البانی اور احمد شاکر نے نہ صرف یہ کہ ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود کو صحیح تسلیم کیا بلکہ اس سے بڑھ کر یوں بھی لکھ دیا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا دعوی کیا ہے اُن کے پاس ضعف کی ایک بھی دلیل نہیں۔ یاد رہے کہ غیر مقلدین نے اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہوا ہے کہ جرح وہی معتبر ہوتی ہے جو مفسر اور مبین السبب ہو، لہذا جو لوگ اس حدیث کے ضعیف ہونے کا دعوی رکھتے ہیں اُن سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر جرح مفسر، مبین السبب پیش کریں۔

(۴) محمد خلیل ہراس غیر مقلد اِس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

”هُوَ حدِيْثٌ صحِيْحٌ وحسَّنہُ التِّرْمِذِیُ یہ حدیث صحیح ہے، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔“

(حاشیہ محلی ابن حزم: ۲/ ۲۹۲)

(۵،۶) شعیب ارناؤط غیر مقلد اور زہیر الشاویش غیر مقلد اِس حدیث کے متعلق کہتے ہیں:

”حسَّنہُ التِّرْمِذِیُ و صحَّحہُ غیْرُواحِدٍ مِن الْحُفَّاظِ وما قالُوْہ فِیْ تعْلِیْلِہ لیْس بعِلَّۃٍ۔

امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور بے شمار حفاظ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور جو بعض لوگوں نے اس حدیث میں علتیں نکالی ہیں وہ غلط ہیں کیوں کہ اس میں کوئی بھی علت نہیں۔“

(شرح السنۃ ۳/ ۲۴ بحوالہ نور الصباح: ۱/ ۹۲)

(۸) ابو عبد الرحمن محمد عبد اللہ پنجابی غیر مقلد کہتے ہیں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ سے رفع یدین چھوڑنے کی روایت صحیح ہے محصلہ۔ (عقیدہ محمدیہ: ۲/ ۶۱۱ بحوالہ نور الصباح: ۱/ ۹۴)

(۷) شیخ عبد المحسن العباد غیر مقلد اِس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

” واِسْنادُ هذا الْحدِیْثِ مُسْتقِیْمٌ ... فیکُوْنُ الْحدِیْثُ حسنا“ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے پس یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

(شرح ابی داود للعباد ۱/ ۲۵۴ بحوالہ تسکین العینین صفحہ ۲۷۴)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

(۹) عقیل احمد بن حبیب اللہ غیر مقلد (فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے... شیخ البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ثابت ہے اس کی سند میں کوئی کلام نہیں ہے۔"

(تخریج و تعلیق حدیثِ نماز: ۲۳۱ طبع سلفی دار الاشاعت دہلی)

(۱۰) حافظ عمران ایوب غیر مقلد نے پہلے علامہ ابن حزم ظاہری سے نقل کیا: "یہ خبر صحیح ہے" پھر اپنی طرف سے لکھا:

"حدیث صحیح ہے۔" (فقہ الحدیث: ۱/۳۹۹)

لاہوری صاحب نے اس مقام پر حاشیہ میں لکھا:

"شیخ احمد شاکرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق الترمذی (۲/۴۱) شیخ شعیب ارنوؤط، شیخ عبد القادر ارنوؤط اور زہیر شاویش وغیرہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی شرح السنۃ (۳/۲۴)"

(حاشیہ: فقہ الحدیث: ۱/۳۹۹)

(۱۱) غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی کہتے ہیں:

"علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب سے خالی نہیں ہے کیوں کہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔"

(فتاویٰ نذیریہ: ۱/۴۴۱)

آگے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

"ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ترمذی نے حسن۔ قصہ مختصر رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہیں۔"

(فتاویٰ نذیریہ: ۱/۴۴۴... فتاویٰ علمائے حدیث: ۳/۱۶۰)

غیر مقلدین کی زبانی میاں صاحب کا مقام ملاحظہ فرماتے چلیں:

=÷=

"شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ثانی متاخرین محدثین میں اب تک کوئی نہیں پیدا ہوا۔"

(فتاویٰ علمائے حدیث: ۲۳۶/۳)

(۱۲،۱۳) مذکورہ بالا فتویٰ میاں صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ اس پر محمد عبد القادر اور محمد اسماعیل نامی دو شخصوں کے دستخط بھی ہیں۔

(۱۴) غرباء اہلِ حدیث کے "امام" عبد الستار لکھتے ہیں:

"اہلِ حدیث کے نزدیک تو صحاح ستہ کی کل احادیث اپنے اپنے موقع پر قابل عمل و لائق تسلیم ہیں۔"

(فتاویٰ ستاریہ: ۵۷/۲)

فتاویٰ ستاریہ کی مذکورہ عبارت حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی نقل کی ہے۔ (علمی مقالات: ۲۸۰/۲)

(۱۵) صحیفہ اہلِ حدیث میں لکھا ہے:

"کتبِ صحاح ستہ اسلام کے دفاتر اور اصول ہیں۔ شرق و غرب نے ان کی صحت پر اتفاق کیا ہے"

(صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۵۵ھ ذیقعدہ صفحہ ۳۱)

ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحاح ستہ میں سے نسائی، ابوداو اور ترمذی میں موجود ہے جب کہ ابوداود: ۱۰۹/۱ میں ترک رفع یدین کی سیدنا براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی ہے اور غرباء اہلِ حدیث کے امام مولانا عبد الستار کے نزدیک صحاح ستہ کی سب حدیثیں صحیح اور قابل عمل ہیں۔

اسی طرح صحیفہ اہلِ حدیث کی تصریح کے مطابق صحاح ستہ کی حدیثوں کے صحیح ہونے پر مشرق اور مغرب کے محدثین کا اتفاق ہے۔

(۱۶) غیر مقلدین کے ترجمہ و تخریج سے شائع ہونے والی نسائی میں ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود کے بارے میں "صحیح" لکھا ہے۔ (نسائی مترجم، حدیث: ۱۰۲۷، باب ترک ذلک صفحہ ۶۳۹ ... اشراف مراجع، تقدیم عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی، مکتبہ بیت السلام)

=÷=

ترک رفع یدین کی تائید غیر مقلدین کے قلم سے

(۱) ابو شاکر اللہ عبد الرحیم بن طالب جان صاحب غیر مقلد (مہمند ایجنسی) لکھتے ہیں:

”رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہے کیوں کہ یہ حق ہے یعنی رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے۔“

(تنبیہ الغافلین صفحہ ۱۹، ناشر ایوب مکتبہ پشاور بحوالہ دوماہی ترجمان پشاور جمادی الاول و جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ)

(۲) غیر مقلدین کے امام علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

”ابو حنیفہؒ نے جو روایت کی وہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر ہاتھ اُٹھائے مگر شروع میں اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین مستحب نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر نکلتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اس کو ترک کیا اور مستحب وہی کام ہوتا ہے جس کو کبھی آپؐ نے کیا، کبھی ترک کیا۔ کیوں کہ اگر ہمیشہ آپؐ اس کو کرتے اور کبھی ترک منقول نہ ہوتا تو رفع یدین واجب ہو جاتا... امام طحاویؒ علماء حنفیہ میں سے اس مطلب کو سمجھ گئے اور انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث سے استدلال کیا عدم وجوب رفع پر اور یہ استدلال صحیح ہے اور اہلِ حدیث رفع یدین کے استحباب کے قائل ہیں۔“

(رفع العجاجۃ عن سنن ابن ماجۃ: ۱/۳۲۷)

علامہ وحید الزمان دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”بھلا رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین پکار کر یا آہستہ کہنا، ہاتھ زیر ناف یا سینے پر باندھنا یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے مسلمان سے فتنہ و فساد اور ان کی عزت اور جان پر صدمہ پہنچایا جاوے۔ ارے احمق! ذرا تم غور کرو یہ تو سب طرح ہماری شریعت میں جائز ہے اور ہر ایک طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ پھر کیا تم سنت نبوی پر عمل کرنے والوں کو مارنا چاہتے ہو۔“

(رفع العجاجۃ عن سنن ابن ماجۃ: ۲/۳۷۴)

وحید الزمان دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”شیطان کا تسلط اُس پر ہے جو مستحبات اور مندوبات اور سنن کا ادا کرنا واجب کی طرح لازم سمجھے اور نہ کرنے والے کو ملامت کرے مثلاً رفع یدین نہ کرنے والے یا آمین بالجہر نہ کہنے والے کو یا دستر خوان پر نہ کھانے والے کو یا بیعت توبہ نہ کرنے والے کو کیوں کہ یہ سب امور مستحب اور مندوب ہیں اگر کسی نے نہ کیا تو اُس پر کچھ ملامت نہیں۔“

(لغات الحدیث:۱/۶۳،جع)

وحید الزمان ہی لکھتے ہیں:

”محبت اور اتفاق اور ہمدردی کے ساتھ جو اختلاف ہو وہ ضرر نہیں کرتا جیسے صحابہ اور تابعین کا طریق تھا کوئی رفع یدین کرتا، کوئی نہ کرتا۔ کوئی آمین پکار کر کہتا، کوئی آہستہ کہتا۔ کوئی سینہ پر ہاتھ باندھتا، کوئی ناف پر۔ کوئی آٹھ رکعت تراویح پڑھتا، کوئی بیس رکعت۔ کوئی جوتے اُتار کر نماز پڑھتا، کوئی جوتے سمیت اور اس اختلاف کے ساتھ آپس میں وہ ہمدردی اور محبت تھی کہ ایک مسلمان دوسرے پر جان دیتا تھا اُس کو اپنا بھائی سمجھتا تھا۔“

(لغات الحدیث:۱/۱۱۵،خل)

(۳)رئیس محمد ندوی غیر مقلد نے سجدوں کے رفع یدین کے اثبات اور ترک کی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا:

”یہ معلوم ہے کہ بعض صحابہ کی طرف منسوب روایات میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بوقت تحریمہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے مگر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کہیں اور جگہ دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ ان روایات کے مختلف جوابات میں سے ایک جواب اہلِ علم نے یہ دیا ہے کہ بوقت رکوع رفع الیدین فرض و واجب نہیں صرف مسنون و غیر مؤکدہ سنت جس کا کبھی کبھار ترک کر دینا بلا کراہت درست و جائز ہے اس لیے آپ ؐ فی الواقع کبھی کبھار بوقت رکوع رفع الیدین نہیں کرتے ہوں گے جسے دیکھنے والے نے سمجھ لیا کہ یہی آپ کا ہمیشہ والا معمول ہے اور آپ ہمیشہ رکوع کے وقت رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھنے کا

اہتمام کرتے اور معمول رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بوقت رکوع رفع الیدین کی نفی والی روایات اور اثبات والی احادیث کے درمیان تطبیق کی یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے جس کی بدولت نفی و اثبات والی احادیث میں سے کسی کا رد وابطال لازم نہیں آتا اور دونوں قسم کی احادیث اپنی جگہ پر برقرار رہی ہیں۔ بعینہ یہی موقف ہماری نظر میں تحریمہ ورکوع کے علاوہ نماز کے دوسرے مواقع پر رفع الیدین کے اثبات و نفی میں وارد شدہ بظاہر مختلف ومتعارض احادیث کے سلسلے میں ہے اور یہی موقف ہماری نظر میں صحیح ودرست ہے جس کے ذریعہ اس سلسلے میں وارد شدہ اثبات و نفی والی جملہ احادیث اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہیں اور مردود وباطل ومتروک نہیں قرار پاتیں۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۵۴)

ندوی صاحب نے بالآخر تسلیم کر ہی لیا کہ رکوع کے رفع یدین کو چھوڑ دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۴) کسی منکر حدیث نے طعنہ دیا:

"پھر نماز کے اندر بار بار اختلاف کی بھرمار۔ کبھی نیت کبھی ہاتھ باندھنے کے متعلق علی صدرہ اور کہیں تحت السرۃ، آمین بالجہر، رفع یدین، فاتحہ خلف الامام وغیرہ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پچاسوں قسم کی نماز رنگ برنگ پڑھتے ہوں گے؟ ان ہی ملاؤں نے مذہب اسلام کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے اور اپنی الگ الگ ٹولی، ایک اینٹ کی الگ مسجد بنا ڈالی ہے۔"

اس منکر حدیث کو جواب دیتے ہوئے مولانا صفی الرحمن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"باقی رہا نماز کے بعض جزوی اور فروعی مسائل میں ہمارے درمیان بالکل معمولی اور ناقابل ذِکر قسم کا اختلاف تو ایسے اختلاف کا اچھالنا اور اسے پچاسوں قسم کی "رنگ برنگ" نماز سے تعبیر کرنا منکرین حدیث کی فطرت کی کجی کی علامت ہے۔ دنیا کا کوئی انسان جو سمجھ بوجھ اور فطرت کی سلامت روی سے محروم نہ ہو اس بات سے انکار کی جرآت نہیں کر سکتا کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ نے تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں اگر گنجائش اور بیان جواز کے لیے نماز کے بعض عمل کی دو دو صورتیں اختیار کی ہوں تو یہ کوئی بعید بات نہیں بلکہ عین ممکن ہے۔ خود قرآن مجید میں قسم کے کفارے میں کی تین تین صورتیں رکھی گئی ہیں۔ کفارۂ ظہار کے لیے بھی تین صورتیں رکھی گئی ہیں۔ نماز تہجد کے لیے تین اختیاری اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ حاجی کے لیے یوم النحر (دس ذی الحجہ) کے بعد منیٰ میں دو دن ٹھہرنا بھی درست قرار دیا گیا ہے اور تین دن ٹھہرنا بھی۔ پس اگر ایک عمل کے لیے ایک سے زیادہ صورتوں کا جواز کوئی قابلِ اعتراض بات ہے تو قرآن کے بیان کئے ہوئے ان مسائل کی بابت کیا ارشاد ہے؟ اگر قابل اعتراض نہیں تو پھر ہماری [مسلمانوں کی (ناقل)] نماز کے ان معمولی اور ناقابلِ ذکر اختلاف کو اُچھال کر اس پر جملہ بازی کرنا اگر فطرت کی کجی کی علامت نہیں تو پھر اسے علم و دیانت کے کس خانہ میں شمار کیا جاسکتا ہے؟۔"

(انکارِ حدیث حق یا باطل؟ صفحہ ۹۵، تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ راولپنڈی)

مبارک پوری صاحب نے صاف اعتراف کیا ہے کہ رفع یدین اور اس کا ترک وغیرہ کئی مسائل ہیں جن کے دونوں پہلو شریعت سے ثابت ہیں۔

مبارک صاحب کی اس عبارت کے پیشِ نظر ہم کہتے ہیں کہ جس طرح منکرین حدیث کا ان مسائل پر جملہ بازی کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے، اسی طرح غیر مقلدین کا ان میں سے ایک پہلو کو اختیار کرکے دوسرا پہلو کے عاملین کو مخالف حدیث کہنا اس سے بھی زیادہ علم و دیانت کی خلاف ورزی ہے۔ اور قسم اُٹھا کر دوسری قسم کی حدیثوں کی نفی کرنا قبیح ترین حرکت ہے۔

(۵) غیر مقلدین کی کتاب "درس بخاری" میں لکھا:

"یہاں یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ اگر تبدیلی ممکن نہیں تو پھر اختلاف کیسے ظہور پذیر ہوا۔ جو آج ہم دیکھتے ہیں۔ مسلمان مختلف مکاتیب فکر کے پیرو ہیں۔ اسی نماز ہی کو دیکھ لیں اس میں کوئی آمین بالجہر کا قائل ہے تو کوئی آہستہ آمین کہنے پر مصرُ ہے۔ کسی نے حالتِ نماز میں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے ہیں، کسی نے زیر ناف ہاتھ باندھنے ضروری قرار دے رکھا ہے اور کسی نے

سرے سے باندھنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔ کچھ ایسے ہیں کہ رفع الیدین کرتے ہیں اور کچھ دوسرے نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سارے کام فعل ہیں اور سنت سے ثابت ہیں... اسی طرح اذان، اقامت کے مسائل ہیں۔ ان تمام مسائل میں اختلاف جواز کا نہیں بلکہ اختیار کا ہے اور دونوں طرح جائز ہے کوئی اِس طرح کرے اور کوئی اُس طرح کرے۔"

(درس بخاری صفحہ ۸۱ افادات مولانا محمد گوندلوی، مرتبہ منیر احمد السلفی، ناشر اسلامک پبلیشنگ ہاؤس قذافی سٹریٹ اردو بازار لاہور)

(۶) مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اگر اہلِ حدیث بوجہ تحقیق رفع الیدین نہ کرے اور آمین بالجہر نہ کہے یا فاتحہ خلف الامام میں تشدد نہ کرے تو بھی اہلِ حدیث ہی رہتا ہے۔"

(الاصلاح صفحہ ۱۳۲ طبع دوم جنوری/ ۲۰۱۱ء، ام القری پبلی کیشنز)

غیر مقلدین کے ہاں "اہلِ حدیث" کا مطلب حدیث پر عمل کرنے والا ہے۔ لہذا رفع یدین نہ کرنے، آہستہ آمین کہنے اور فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں بھی انسان حدیث پر عامل ہے۔

گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اس [نماز (نافل)] کے محسوس حصہ میں کچھ اختلاف بھی ہے مثلاً ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے اور رفع یدین کرنے اور نہ کرنے، آمین بالجہر کہنے اور آہستہ کہنے اور ہاتھ زیر ناف باندھنے یا اوپر باندھنے، مگر یہ سب امور سب کے نزدیک سنت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح سے نماز پڑھی ہو۔ جس طرح کسی نے دیکھا اور آگے جا کر نماز پڑھی، پھر اس کو دیکھنے والوں سے اسی طرح طریقہ چلا آیا، یہاں تک یہ زمانہ آیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہو، مگر دیکھنے والوں میں سے بعض نے سنت سمجھ کر غفلت کی بناء پر چھوڑ دیا ہو، پھر وہاں سے سلسلہ چل کر اس زمانہ میں پہنچ گیا ہو۔ یہی حال دوسرے امور اختلافیہ کا ہے۔"

(دوام حدیث: ۲/ ۲۸۰)

=÷=

گوندلوی صاحب کی تصریح کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح سے نماز پڑھی رفع یدین کے ساتھ اور ترک رفع یدین کے ساتھ بھی۔

(۷) حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

> "صرف نماز کا اختلاف ہی دیکھ لیجئے۔ ہاتھ باندھنے کی صورت میں: سینے پہ باندھے جائیں یا ناف کے نیچے یا چھوڑ کر نماز پڑھی جائے؟ رفع الیدین کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اعتدال ارکان ضروری ہے یا نہیں کسی کے نزدیک ضروری ہے، کسی کے نزدیک نہیں۔ خلف الامام سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ ایک کے نزدیک فرض ہے، جب کہ دوسروں کے نزدیک غیر ضروری۔ اسی طرح مرد اور عورت کی نماز کا مسئلہ ہے ایک فریق ان کے طریقہ نماز میں فرق کا قائل ہے جب کہ دوسرا فریق سوائے دو تین باتوں کے ارکان نماز ادا کرنے میں کسی فرق کا قائل نہیں... اگر نماز کا اثبات صرف عملی تواتر سے ہوتا تو طریقہ نماز میں یہ اختلاف قطعاً نہیں ہوتا۔ فریقین دلائل کا انبار اور کتابوں کا ڈھیر جمع نہ کرتے۔ پھر تو ان کی صرف ایک ہی دلیل ہوتی کہ نماز کا فلاں عمل یا فلاں طریقہ نسل در نسل، جیلا بعد جیل، اسی تواتر سے نقل ہوتا آرہا۔"
>
> (فتنہ غامدیت، ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ صفحہ ۶۷)

اس عبارت میں "فریقین دلائل کا انبار" پہ نگاہ رہے۔ اس میں اعتراف ہے کہ ترک رفع یدین والے فریق کے پاس دلائل کا انبار ہے۔

(۸) مولانا نور حسین گرجاکھی غیر مقلد نے نسائی: ۱۵۹، بیہقی: ۷۸/۲، ابو داود صفحہ ۱۱۶، کنز العمال: ۲۱۱/۴ اور حازمی صفحہ ۸۵ سے حدیث نقل کی پھر یوں تبصرہ کیا:

> "اس حدیث سے نماز کی ابتدائی حالت معلوم ہو گئی کہ شروع [زمانہ کی (ناقل)] نماز میں رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت تھا اور رکوع میں تطبیق تھی۔ اس حدیث پر عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کے بعض اصحاب کا عمل رہا۔ اب اس کے بعد جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تطبیق کو منسوخ فرما کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور بحکم خدا تعالیٰ رکوع جانے اور سر اُٹھانے کے وقت رفع یدین کرنا شروع کیا تو... جن کو حکم ثانی نہ پہنچا وہ

ابتدائی دونوں حکموں پر تازندگی خود بھی عامل رہے اور یہی تعلیم دوسروں کو بھی دیتے رہے جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔"

(قرۃ العینین صفحہ ۹۵)

گرجاکھی صاحب کے بقول شروع زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔لہذا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی رکوع کا رفع یدین نہیں چھوڑا" دعویٰ کرنا غلط ہوا، پھر اسی دعویٰ کو حلفیہ بیان کرنا مزید جسارت ہے۔

(۹) مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے ترمذی والی حدیث ابن مسعود کے جواب میں لکھا:

"اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ ممکن ہے ابن مسعودؓ کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب عمل امر ہو جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔"

(اہلِ حدیث کا مذہب صفحہ ۷۳)

یہ عبارت "فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۵۴/۳، مکتبہ اصحاب الحدیث" میں بھی درج ہے۔

امرتسری صاحب آگے لکھتے ہیں:

"اگر اس قسم کی روایات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوں کہ حضورؐ نے سوائے اول دفعہ رفع یدین نہیں کی تو بھی نسخ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ سنت خاص کر مستحب امر کے لیے تو دوام فعل ضروری نہیں۔ دوام تو موجب وجوب ہے۔ سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے کہ فعل مرۃ و ترک اخری (کبھی کیا ہو، اور کبھی چھوڑا ہو) جس کو اہلِ معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ کی نقیض مطلقہ عامہ نہیں ہوتا فافہم۔"

(اہلِ حدیث کا مذہب صفحہ ۷۴)

مذکورہ عبارت "فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۵۵/۳، مکتبہ اصحاب الحدیث" میں بھی ہے۔

(۱۰) غیر مقلدین کی طرف سے شائع شدہ نسائی مترجم میں سیدنا عبداللہ ابن مبارک والی سند سے مروی حدیث ابن مسعود کی بابت "صحیح" لکھا ہے۔ اور پھر "فائدہ" عنوان قائم کر کے لکھا:

”ایسا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع الیدین نہ کرتے رہے ہوں، کیوں (کہ) یہ فرض وواجب تو ہے نہیں، اس لیے ممکن ہے بیان جواز کے لیے کبھی آپ نے رفع الیدین نہ کیا ہو، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں آپ کو دیکھا ہو۔“

(نسائی مترجم: ۱/۶۳۹ حدیث: ۱۰۲۷... اشراف، مراجعہ اور تقدیم عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی)

(۱۱) غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

”حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قنوت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور یہ اختلاف اختلاف مباح سے ہے اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا اور مانند اختلاف تشہد اور اذان اور اقامت کے اَور مانند اختلاف حج کے جو افراد اور قران اور تمتع ہے۔ سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے۔ اور دونوں فعل ان میں مشہور اور معروف تھے۔ بعض سلف صالحین نماز جنازہ میں قراءت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے جیسے کہ بسم اللہ کو نماز میں کبھی اونچی پڑھتے اور کبھی آہستہ دعاء افتتاح پڑھتے، کبھی رفع یدین رکوع کو جاتے اور اُٹھتے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تینوں وقت کرتے، کبھی نہ کرتے۔ کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے، کبھی ایک طرف۔ کبھی امام کے پیچھے قراءت پڑھتے، کبھی نہ پڑھتے۔ اور نماز جنازہ میں کبھی سات تکبیریں کہتے، کبھی پانچ، کبھی چار۔ سلف صالحین میں ہر طرح کے کرنے والے موجود تھے۔ یہ سب اقسام اصحاب رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔“

(حاشیہ: فتاویٰ علمائے حدیث: ۳/ ۱۵۲، مکتبہ اصحاب الحدیث)

اس عبارت میں منجملہ باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام اور اسلاف سے ترک رفع یدین پر عمل پیرا رہنا ثابت ہے۔

(۱۲) مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی غیر مقلد لکھتے ہیں:

=÷=

”رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں، اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے، نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ....“

(حاشیہ: اُسوۂ حسنہ ترجمہ ھدی الرسول صفحہ ۹۰)

(۱۳) قاری کفایت اللہ (غیر مقلد) نے حافظ زبیر زئی علی زئی کو خط لکھا:

”میں نے درس بخاری میں علامہ گوہر رحمن صاحب مرحوم (غیر مقلد) سے مسئلہ رفع الیدین میں استفادہ کیا تھا، ان کی تقریروں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ رفع الیدین و عدم رفع الیدین دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔ مگر آپ کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مقابلہ 70 اور 30 کا ہے۔“

(اشاعۃ الحدیث، اشاعت خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۶۱۱، مکتبہ اسلامیہ)

گوہر صاحب سے کئے گئے استفادہ کے مطابق رفع یدین کی طرح اس کا ترک بھی ثابت ہے، حیثیت میں دونوں برابر ہیں۔ عبارت کے اگلے حصہ میں تیس فی صد مان لینا بھی غنیمت ہے۔

(۱۴) غیر مقلدین کی ایک عربی کتاب میں لکھا ہے:

”فنقوْلُ انَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم شرع کلَّ مِن الْهیْئَاتِ الثّلاثِ الرَّفْعُ عِنْد تکْبِیْرةِ الْاِحْرام فقطْ لِحدِیْثِ ابْنِ مسْعُوْدٍکما هُو مذْهبُ الْحنفیَّة والرَّفْعُ عِنْد الرُّکُوْعِ والرَّفْعِ مِنْهُ وعِنْد الْقِیامِ اِلی الرَّکْعة الثّالِثة ایضا لِحدِیْثِ ابْنِ عُمر کما هُو مذْهبُ الْجُمْهُوْر والرَّفْعُ عِنْد کلِّ خفْضٍ ورفْعٍ لِحدِیْثِ مالِکٍ فالْکلُّ سُنّة ولا تثْرِیْب علی منْ رفع اوْ لمْ یرْفعْ ۔

(الْاِخْتِیاراتُ الْفِقْهِیَّة مِنْ خِلالِ کِتابِ صِفة صلوةِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۴۴، دار ابن حزم)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں حالتوں میں سے ہر ایک کو مشروع فرمایا: رفع یدین فقط تکبیرۃ تحریمہ کے وقت، حدیث ابن مسعود کی وجہ سے جیسا کہ وہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ اور رفع یدین رکوع کے وقت اور اس سے اُٹھتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت، حدیث ابن عمر کی وجہ سے جیسا کہ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ اور رفع یدین

ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت حدیث مالک کی وجہ سے۔ پس یہ سب طریقے سنت ہیں، لہٰذا اس پر
کوئی الزام نہیں جو رفع یدین کرے یا نہ کرے۔

فائدہ: مولانا شاہ اسماعیل دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

"فلایلام تارکہ وان ترکہ مدۃ عمرہ ۔"

(تنویر العینین بحوالہ الروضۃ الندیۃ صفحہ ۹۶)

ترجمہ: رفع یدین کے تارک کو ملامت نہیں کی جا سکتی اگرچہ ساری عمر اسے چھوڑے
رکھے۔

غیر مقلدین کے ہاں مولانا شاہ اسماعیل دہلوی "اہلِ حدیث" شمار ہوتے ہیں۔ اس پر اُن کی بیسیوں عبارتیں
پیش کی جا سکتی ہیں۔

غیر مقلدین کے ہاں ترک رفع یدین پر عمل

(۱) مولانا ثناء اللہ مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"والدین کی دلجوئی کے لیے ترک رفع الیدین کی گنجائش ہے ... ہمارے بعض اسلاف
تبلیغی مصلحت کے پیشِ نظر ترکِ رفع پر عامل تھے۔"

(الاعتصام مئی ۱۹۹۰ء صفحہ ۹ بحوالہ حدیث اور اہلِ حدیث صفحہ ۱۱۴)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ رفع یدین کے چھوڑنے پر غیر مقلد مفتی نے محض بعض اسلاف کا عمل پیش
کیا ہے۔ بعض اسلاف کی پیروی میں رفع یدین چھوڑ دینا غیر مقلدین کے ہاں اتباع کہلائے گا یا وہ اسے تقلید کا نام
دیں گے؟

اس عبارت میں یہ بھی ہے کہ ترک رفع یدین پر عمل پیرا عام غیر مقلد نہیں بلکہ اُن کے اسلاف ہیں۔

(۲) خواجہ عطاء الرحمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مولانا خالد صاحب (گرجاکھی) نے بتایا ہے کہ والد (نور حسین گرجاکھی) صاحب نے
ایک دن تہجد کی نماز میں اپنے استاد مولانا علاؤ دین صاحب کے ساتھ باجماعت ادا کی تو مولانا علاؤ
دین صاحب کو تہجد میں رفع الیدین کر کے نماز پڑھتے دیکھا، حالاں کہ مولانا دن کی نمازوں میں

رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ میں نے پوچھا تو فرمانے لگے بیٹا یہ سنت سے ثابت ہے لیکن میں دن کو اس لیے نہیں کرتا تاکہ لوگ بدک نہ جائیں، کہنے لگے ایک دن میں اپنے استاد حضرت مولانا غلام رسولؒ صاحب قلعوی کے ساتھ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو انہوں نے بھی رفع الیدین کیا۔ میں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا بیٹا یہ سنت رسولؐ ہے۔ ہم لوگ صرف اس لیے نہیں کرتے کہ لوگ بدک نہ جائیں اور ہماری تبلیغ میں رکاوٹ نہ ہو۔"

(سوانح مولانا نور حسین گرجاکھی صفحہ ۱۲ بحوالہ حدیث اور اہلِ حدیث صفحہ ۱۱۴)

(۳) غیر مقلدین کے ہاں "امیر المجاہدین" کا لقب پانے والے فضل الٰہی وزیر آبادی ایک عرصہ تک اپنی مسلکی سنتوں / اپنے امتیازی مسائل کے تارک رہے اور انہوں نے اس کا خود ہی اعتراف واعلان کیا۔ وہ کہتے ہیں:

"میں نے ریفرنڈم جیتنے اور شمالی سرحدی صوبہ کو پاکستان میں شامل کرنے کی غرض سے رفع الیدین، سینے پر ہاتھ باندھنے، آمین اونچی کہنا چھوڑ دیا۔ میرے متعلق کہا گیا کہ امام کی اقتداء میں فضلِ الٰہی کا اگر منہ ہلتا ہے تو یہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوگا اور یہ پکا وہابی ہے لہٰذا میں نے کچھ عرصہ کے لیے فاتحہ خلف الامام بھی چھوڑ دی۔"

(علمائے دیوبند اور انگریز صفحہ ۱۵۳ بحوالہ توضیح الکلام پر ایک نظر صفحہ ۱۴)

(۴) ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

"میں رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں اور یہی درست سمجھتا ہوں کہ رفع یدین کرنا چاہیے لیکن بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی حنفی مسجد میں امام مسجد موجود نہیں ہے، بعض نمازیوں نے مجھے نماز کے لئے آگے کر دیا تو اَب میں نے ان کا لحاظ کیا اور حنفی طریقے سے نماز پڑھادی۔ یہ منہاج کی نرمی ہے۔"

(آسان دین صفحہ ۲۳، دار الفکر الاسلامی لاہور)

(۵) مولانا عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مولوی عبد الوہاب نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی عبد الحکیم نصیر آبادی جب فلاں جگہ جاتے ہیں تو وہاں کے احناف کی خاطر رفع الیدین چھوڑ دیتے ہیں۔"

(الجسر البلیغ صفحہ ۲۳ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

(۶) قاضی عبد الاحد خان پوری غیر مقلد کے حالات میں لکھا ہے:

”احناف کی مساجد میں وہ آمین بالجہر اور رفع یدین بھی نہ کرتے تھے کیوں کہ اصل مقصد آپ کے سامنے توحید تھا۔ ایک دفعہ ایک طالب علم خان پور سے آیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اس مسجد میں آمین بالجہر نہ کہنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بالجہر اور رفع یدین کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی بلکہ توحید کی خاطر کی تھی۔“

(تذکرہ علمائے خان پور صفحہ ۳۸)

مذکورہ عبارت محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد کی کتاب ”چمنستان حدیث صفحہ ۲۱۸“ میں بھی منقول ہے۔ بھٹی صاحب نے اس کی تردید نہیں کی۔ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کا اصول ہے کہ کوئی مصنف کسی عبارت کو نقل کرکے اس کی تردید نہ کرے تو اس کی طرف سے موافقت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”حافظ ابن حجر نے حافظ ابن حزم کی مخالفت نہیں کی لہذا یہ اُن کی طرف سے ابن حزم کی موافقت ہے۔“

(علمی مقالات:۶/۱۳۰)

(۷) علی حسن خان غیر مقلد اپنے والد نواب صدیق حسن خان کے متعلق لکھتے ہیں:

”والا جاہ مرحوم نماز پنجگانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے البتہ ان کو فاتحہ خلف الامام اور اول وقت کا خاص اہتمام مدنظر رہتا تھا۔“

(مآثر صدیقی:۴/۶۳)

علی حسن خان کی تصریح کے مطابق فاتحہ خلف الامام اور اول وقت نماز پڑھنے کے علاوہ باقی نماز نواب صاحب حنفی طریقہ کے مطابق پڑھتے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ رکوع کا رفع یدین نہیں کرتے ہوں گے۔ اس عبارت کے پیش نظر دوسرے مسائل: ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، آہستہ آمین کہنا، سجدہ جاتے ہوئے ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنا، جلسہ استراحت نہ کرنا اور تورک نہ کرنا وغیرہ مسائل بھی نواب صاحب کے مختار شمار ہونے چاہئیں۔

=÷=

مآثر صدیقی کے حوالہ کے بعد "نزہۃ الخواطر" کی عبارت بھی پڑھ لیں۔ اس میں نواب صاحب کے متعلق لکھا ہے:

" العجب انہ کان یصلی علی طریقۃ الاحناف فلایرفع الایدی فی المواضع غیر تکبیرۃ التحریمۃ و لا یجھر بآمین بعد الفاتحۃ ولایضع یدہ علی صدرہ۔

(نزہۃ الخواطر:۸/۱۹۱بحوالہ نور الصباح:۲/۲۲۰)

ترجمہ: تعجب کی بات ہے کہ وہ احناف کے طریقہ پر نماز پڑھا کرتے تھے اس لئے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مقامات میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، نہ ہی فاتحہ کے بعد آمین اونچی کہتے اور نہ ہی ہاتھ سینے پر باندھتے۔

بلکہ نواب صاحب نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ سے نقل کیا:

"ان آخر الامرین ترک الرفع ولا یدری مدۃ الترک فیحتمل انہ ترکہ فی ایام المرض۔ "

(الروضۃ الندیۃ صفحہ ۹۵)

ترجمہ: دو امروں (رفع یدین کرنے اور چھوڑنے) میں سے ترک رفع یدین آخری عمل ہے، رفع یدین کے ترک کی مدت معلوم نہیں۔ احتمال یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مرض الوفات میں اسے چھوڑ دیا تھا۔

(۸) مولانا عبد الغفار دہلوی غیر مقلد مسئلہ رفع یدین کے متعلق لکھتے ہیں:

"آہ! آج بعض اہل حدیث بھی اس سنت کو چھوڑے بیٹھے ہیں یعنی اس طرح رفع یدین کرتے ہیں جیسے کسی کو اشارہ سے بلا رہے ہوں۔"

(رفع الیدین صفحہ ۴)

=÷=

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ (24 اگست 2021ء)

حضرت مولانا حمد اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ المعروف ڈاگئی باباجی صاحب کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب

حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو پاکستان و افغانستان کے اکثر علماء کرام کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں۔ انہوں نے "مولانا محمد طاہر پنج پیری" کے رد میں ایک کتاب بنام "البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر" تصنیف فرمائی ہے۔ بعد میں اس کے ترجے بھی کیے گئے لیکن یہ ترجے باباجیؒ کے اجازت کے بغیر ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باباجیؒ نے اپنے زندگی میں ہی اس سے براءت کا اعلان کیا تھا۔ اور ایک واضح ثبوت اور شہادت یہ بھی موجود ہے کہ تقریباً ایک ہفتہ پہلے باباجیؒ کے نواسے "جناب محمد بلال ڈاگئی" صاحب جو آج کل اسلام آباد میں مقیم ہے سے رابطہ ہوا۔ تو جناب بلال صاحب نے خود تصریح کی اور اس کی وائس میسج بندے کے ساتھ موجود ہے کہ باباجیؒ نے اپنی زندگی میں اس سے براءت کیا تھا۔ مماتی صاحبان اکثر ان اردو یا پشتو تراجم پر اعتماد کر کے باباجیؒ پر شرک و بدعتی اور پتہ نہیں کیا کیا فتوے داغتے ہیں لیکن

"این خیال و محال است و جنون"

دوسری بات یہ کہ خود باباجیؒ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں تحریراً یہ بات چھوڑ دی ہے کہ "میری کتابوں سے جو لوگ بھی غلط نظریات تراشتے ہے اور میرے ذمے لگاتے ہیں وہ قطعاً میرے نظریات نہیں ہے بلکہ میرے نظریات وہی ہے جو "المہند اور براہین قاطعہ" میں موجود ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ اخذ بالآخر پر عمل کیا جائے۔ اور باباجیؒ کی طرف غلط بات منسوب نہ کیا جائے۔

آمدم بر سر مطلب!

ہمارے مخدوم مکرم مولانا تاج بہادر حقانی صاحب نے باباجیؒ کی ایک عبارت کی طرف توجہ دلائی کہ مماتی اس کا غلط مطلب لے کر تاویل القول بمالایرضی بہ قائلہ کے مصداق ہو کر باباجیؒ پر بدعتی اور مشرک کا فتوی لگاتے ہیں اس کی تھوڑی سے وضاحت کی جائے۔ خود مولانا نے بھی اپنے فیس بک وال سے ماشاللہ سلسلہ وار تقریباً

چار حوالے پیش کیے ہے باباجیؒ کی عبارت کے وضاحت کے لیے اور مزید بھی ہماری دعا ہے لیکن بندہ بھی خریدار ان یوسف میں اپنا حصہ ڈالنے کی خاطر ایک مختصر وضاحت لکھ دیتا ہے!

"باباجیؒ کی عبارت"

"اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور [1] "

مماتی اس عبارت کا ظاہری ترجمہ کرکے آسمان سر پر اٹھالیتے ہیں کہ دیکھو جی باباجیؒ اصحاب القبور سے استعانت کے قائل ہیں جبکہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔۔۔

اولاً: اس عبارت کو باباجیؒ نے توسل کے باب میں ذکر کیا ہے تو ظاہری بات ہے کہ یہاں استعانت بمعنی توسل ہو گا۔ جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "وایاک نستعین " کے تحت استعانت بمعنی توسل لیا ہے۔ جس کا خوبصورت اور دل نشین تشریح شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ نے مقالات عثمانی کے اندر کیا ہے۔ (دیکھئے مقالات عثمانی ص54تا58)

ثانیا: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ جو قریباً تمام فرق کے اسناد حدیث میں مرکزی راوی ہے نے بھی فتاوی عزیزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ پر استمداد اور استعانت بمعنی توسل لیا ہے۔ چنانچہ حضرت لکھتے ہیں!

"مدد طلب کرنے کی صورت صرف یہی ہے کہ ضرورت مند اپنی حاجت کو اللہ تعالی سے اس

---

(1) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاوی عزیزیہ میں اس قول کے تین معنی بیان کئے ہیں:

ا: یعنی جب کسی معاملے میں تم پریشان ہو تو جو قبروں میں اہل علم اہل ورع و تقوی اور اصحاب الرائے جو مر چکے ہیں اور قبور میں جا چکے ہیں ان کو دیکھو کہ آخر اس قسم کا معاملہ ان کے سامنے بھی پیش ہوا ہو گا انہوں نے اس معاملے میں کیا رائے اختیار کی تھی۔

۲: اگر دنیا کے کسی معاملے میں پریشان ہو تو اہل قبور کو دیکھو جو دنیا سے چلے گئے وہ بھی اس دنیا کو اسی طرح چھوڑ کر قبروں میں چلے گئے یہ دنیا تم سے پہلوں سے نہ بنی تو تم اس میں کیا سکون و عافیت حاصل کر سکو گے۔

۳: اہل قبور بزرگان دین سے بطریق توسل اس مسئلہ کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرو ان شاء اللہ اللہ اس مسئلہ کو حل کر دے گا۔

اور توسل اہل سنت کا نظریہ ہے علامہ سبکی رحمہ اللہ نے شفاء اس پر اتفاق لکھا ہے۔

حضرت حمد اللہ جان ڈاگئی بابا رحمہ اللہ نے بھی البصائر میں سدی کے حوالے سے اس قول کے دو معنی لکھے ہیں:

جب نیک لوگوں کی قبور پر جاؤ گے تو سکون و روحانیت ملے گی دوسرا ان سے توسل کرو۔

پس اس قول کے یہ معنی عین نظریہ اہل سنت کے مطابق ہیں لہذا ظاہری عبارت کو دیکھ کر اس سے علی الاطلاق استعانت ثابت کرنا یا اس پر شرک کے فتوے لگانا دونوں غلط ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (نوٹ: حاشیہ کی یہ تحریر علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ سے نقل کی گئی ہے)

=÷=

نیک بندے کی روحانیت کے وسیلے سے طلب کرے۔ جو اللہ تعالی کی بارگاہ میں مقرب ومکرم ہے اور کہے خداوند اس بندے کی برکت سے کہ جس پر تو نے رحمت واکرام فرمایا ہے میری حاجت کو پوری فرما۔ یا اس مقرب بندے کو پکارے کہ اے بندہ خدا اور اللہ کے ولی میرے لیے شفاعت کر اور اللہ تعالی سے دعا کر کہ میرے مقصد کو پورا فرمائے (اور یہ بھی بقول حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اس شخص کے لیے جائز ہے جو سماع کا قائل ہو)۔ لہذا بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے قدرت دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے خدا تعالی ہی ہے اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں (جبکہ مماتی اس کو شرک اور قائل کو مشرک کہتے ہیں) جیسا کہ وسیلہ کے منکر نے وہم کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ نیک لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ظاہری زندگی میں وسیلہ بنایا جاتا ہے ان سے دعا طلب کی جاتی ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے تو وفات کے بعد وہی بات کیوں جائز نہ ہو گی۔ کاملین کی ارواح میں ظاہری زندگی اور وفات کے بعد صرف اتنا فرق ہے کہ انہیں زیادہ کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ انتہی۔

لہذا تین اکابر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے اقوال سے ثابت ہے کہ استمداد اور استعانت بمعنی توسل ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے سوائے شرذمہ قلیلہ کے اس کا کوئی منکر نہیں!

باقی عبارات پر ان شاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے کیونکہ "یار زندہ صحبت باقی"

مولانا ساجد محمود صاحب حفظہ اللہ، (سلانوالی سرگودھا) (قسط:۲)

تضاداتِ مماتیت

زمین پر اگر پانی زیادہ آجائے تو سیلاب بن جاتا ہے، اگر ہوا زیادہ چل پڑے تو وہ طوفان بن جاتی ہے، سردی زیادہ پڑجائے تو زمین پر برف جم جاتی ہے، گرمی شدّت اختیار کرلے تو زمین انگاروں کی طرح ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر کسی مذہب کی سطح پر نام نہاد مجتہدین و محققین حد سے زیادہ ظاہر ہو جائیں تو اس مذہب کی سرزمین بھی خراب ہو جاتی ہے، اس کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں، اور پھر وہ کبھی کوئی مضبوط اور پائیدار قسم کے اصولوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسے ان نام نہاد مجتہدین کی کرم نوازیوں سے اپنے وجود کو معدوم کرنا پڑتا ہے، پھر بالآخر وہ ٹمٹماتے چراغ یا پانی پر جھاگ کی طرح بجھنے اور ختم ہونے لگتا ہے۔

زیر بحث مذہب نام نہاد اشاعتیوں کا ہے۔ جس میں ماشاء اللہ روزِ اوّل سے ہی مجتہدین اور محققین کی کوئی کمی نہیں رہی۔ البتہ پچھلے چند سالوں سے مذکورہ گروہ نے جو مجتہدین و محققین کی کثیر تعداد میں کھیپ تیار کی ہے وہ واقعی حیران کن بھی ہے اور لائق عبرت بھی۔ ان کے اس کارنامے کا یہ احساس صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ انہیں خود بھی اپنے اس کارنامہ کا بخوبی احساس ہے۔

چنانچہ ہمارے ضلع سرگودھا سے شائع ہونے والے ان کے ایک ماہنامہ "ضیائے توحید" میں وہ اپنے اس کارنامے کا اعتراف کچھ ان لفظوں میں کرتے ہیں:

> "ہمارے اسلاف اپنے اپنے حصے کا کام کر کے ایک ایک کر کے رخصت ہوتے رہے ان کے بعد جماعت کی ذمہ داریوں کا بوجھ جن کاندھوں پر آن پڑا وہ کما حقّہ اس بوجھ کو اٹھانے کا حق ادا نہ کر سکے کہ ان میں سے ہر ایک کی خواہش یہ رہی کہ جماعت میری ترجیحات کے مطابق چلے پھر اپنی حیثیت سے بڑھ کر **اجتہادات** استعمال کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔"

(ضیائے توحید/مارچ 2016ء)

ان نام نہاد مجتہدین و محققین کی انتھک محنتوں اور کوششوں سے کیا کچھ نتائج اور ثمرات سامنے آئے؟ کیسے انہوں نے اپنے بے لگام اجتہاد اور بے بنیاد تحقیق کی قربان گاہ پر اپنے ہی عقائد و نظریات کے گلے کاٹے اور

اپنے ہی اکابر کی عبارات کا خون بہایا۔ آج اس مختصر سی تحریر میں آپ حضرات کے سامنے اسکی کچھ جھلک پیش کرنی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1. حیات انبیاء و شہداء کا عقیدہ کن کا ہے؟

اس بارے میں جو ان کے نو مولود مجتہد اور محقق حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن نوشکوی صاحب کی نرالی اور مبنی بر جھوٹ تحقیق انیق ہے وہ انہی کی زبانی سنیے لکھتے ہیں:

> "جس حیات کا فریق مخالف (اہل سنت والجماعت احناف دیوبند، از راقم) قائل ہے حقیقیہ، دنیویہ، حسیہ، قبور اضیہ والی دراصل یہ عقیدہ غیر مسلموں کا ہے آنے والی تحقیق سے انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ عقیدہ غیر مسلموں منافقین، روافض معطلہ، قادیانی بریلوی ہندوؤں وغیرہ کا ہے۔"
> (قائلین حیات النبی ﷺ غیروں کے در پر مقدمہ کتاب)

قارئین کرام!

موصوف کی یہ بے دھڑک تحقیق جو ان کے ظالم ہاتھوں سے رقم ہوئی آپ نے ملاحظہ کر لی ان کی اس ظالم تحقیق کی پاداش میں کون کون آیا ہے؟ اور آیا ان کی یہ تحقیق انہی کے ہم مسلک لوگ قبول کرتے ہیں یا نہیں آپ ان کے ایک مشہور مصنف کی زبانی دیکھ لیجئے:

حضرت مولانا سخی داد خوستی رقمطراز ہیں:

> " وفات کے بعد قیامت سے پہلے اس درمیانی زمانہ (عالم برزخ) میں انبیاء اور شہداء کرام کی حیات کیفیت میں اہلسنت والجماعت علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے بعض برزخی یعنی حیات روحانی باجسام مثالیہ کے معتقد ہیں اور بعض دنیاوی حیات دنیویہ باجساد عنصریہ فی قبور ارضیہ کے قائل ہیں۔"
>
> (حیات بعد الممات صفحہ-13)

اس عبارت میں مولانا سخی داد خوستی حیات جسمانی کے قائلین کو اہلسنت والجماعت میں ہی شمار کر رہے ہیں جبکہ اوپر مولانا مفتی عزیز الرحمن نوشکوی صاحب نے قائلین حیات جسمانی کو غیر مسلموں کا مذہب قرار دیا ہے۔

2. عذاب وثواب جسم عنصری کو ہوتا ہے یا جسم مثالی کو؟

حضرت مولانا سید حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

”عذاب وثواب کی احادیث میں بدن جسد یا جزبدن سے یہی حقیقی انسان (اجزا الاصلیہ) مراد ہیں۔“

(نداء حق جلد 1 صفحہ 267)

کتب اہل السنۃ والجماعۃ میں عذاب وثواب کا مورد اسی جسم عنصری کو بتایا گیا ہے اور منکرین عذاب وثواب قبر کہ جو اسی جسم کے عذاب وراحت ملنے کے متعلق اشکالات اور اعتراضات تھے ان کو بڑی وضاحت کے ساتھ نقل کر کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ جس کا اقرار نداء حق کے اس مقام پر حضرت نیلوی صاحب ابھی کر چکے ہیں۔ لیکن ان کے ہم مسلک نو مولود محقق حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن نوشکوی کے نزدیک حضرت کی یہ تحقیق تو بیشک جائے بھاڑ میں انہیں تو بس اپنی اجتہادی بین کے ساتھ یہی گُن گانا ہے کہ

”ان تمام عبارات سے معلوم ہو گیا کہ عذاب وثواب جسم مثالی کو عالم مثال میں ہوتا ہے۔“

(حقیقت عذاب قبر صفحہ-12)

3. مسئلہ سماع موتیٰ اتفاقی رہا یا اختلافی؟

اس بابت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

”سماع موتیٰ کا مسئلہ صدر اول یعنی زمانہ صحابہ کرامؓ سے اختلافی چلا آ رہا ہے۔“

(تفسیر جواہر القرآن تحت الآیۃ انک لا تسمع الموتیٰ)

لیکن مولانا اسحاق توحیدی صاحب کی تحقیقی آنکھیں کیا دیکھتی ہیں وہ بھی دیکھ لیجئے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”اس سے صاف ظاہر ہے کہ احناف سماع موتیٰ کے منکر ہیں البتہ امام شافعیؒ کی طرف سے سماع کی نسبت غلط ہے کیونکہ وہ بھی سماع موتیٰ کے قائل نہیں منکر ہیں۔“

(عقیدت الاکابر والاصاغر صفحہ-22)

=÷=

4. جسم سنتا ہے یا روح؟ مماتی مجتہدین کی پنجہ آزمائی

نداء حق میں مولانا حسین نیلوی لکھتے ہیں:

"یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کو جب اس قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے ساتھی دفن کرکے واپس چلے جاتے ہیں تو وہ دفن کیا ہوا بندہ واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز ابھی سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آکر اسے اٹھا بٹھاتے ہیں۔ اس حدیث صحیح کی ظاہر عبارت یہ بتاتی ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد نکیرین اس کے پاس آنے اور اٹھانے بٹھانے سے پہلے وہ میت واپس جانے والوں کی آواز سنتا ہے تو یہ صرف جسم ہی تو ہے جس میں روح نہیں ہے اور اس جسم سے روح کیلئے سماع ثابت ہو گئی۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس "العبد" سے مراد جسد بلا روح جسے قبر میں رکھا جا رہا ہے۔"

(نداء حق جلد 2 صفحہ 378)

گویا حضرت نیلویؒ صاحب کے نزدیک جسم سنتا ضرور ہے لیکن بغیر روح کے۔ حضرت موصوف کی یہ تحقیق تو بلا دلیل ہی ہے نہ اس پر کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل۔ اب توجہ طلب یہ امر ہے کہ ان کا یہ فلسفہ چلو کسی کھاتے ضرور لگ ہی جاتا اگر ان کے مسلک کے لوگ قبول کر لیتے۔ چنانچہ انہی کہ مسلک کے ایک عالم صاحب لکھتے ہیں:

"فائدہ: کتنا واضح ہے کہ اس کو گاڑا جائے یا نہ دونوں صورتوں میں اس سے یہ سوال کئے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ سوال عالم برزخ میں روح سے ہوتے ہیں یہ ہیں علمائے کرام کے عقائد ان کو قبول فرمائیں۔"

(عقیدۃ الاکابر والاصاغر صفحہ 23)

پھر یہی بزرگ آگے چل کر مزید حضرت نیلوی صاحب کی عبارت کو زندہ در گور کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مردہ اجسام بے جان ہوتے ہیں وہ نہیں سنتے۔"

(ایضا صفحہ 50)

جب سماع ہی نہیں تو سوالوں کا سننا اور پھر جواب دینا کیسے درست ٹھہرا۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

مولانا محمد محسن طارق الماتریدی صاحب حفظہ اللہ

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ کی کتاب
نصرت المعبود فی مسئلۃ وحدت الوجود پر تقریظ

الحمد للہ المتوحد بجلال ذاتہ و کمال صفاتہ المتقدس فی نعوت الجبروت عن شوائب النقص و سماتہ المتوصف بصفات الکمال و نعوت الجمال و الجلال المتنزہ عن الحلول والاتحاد والغایات المتعلی عن الحدوث و الحدود والجہات لاتبلغہ الاوہام و لاتدرکہ الافہام و لایشبہ الانام کان و لامکان والان کما کان والصلوۃ والسلام علی نبیہ القائل روحی فداہ کان اللہ ولم یکن شئ غیرہ وقال روحی فداہ اللھم أنت الاول فلیس قبلک شئ وانت الآخر فلیس بعدک شئ وانت الظاھر فلیس فوقک شئ وانت الباطن فلیس دونک شئ المؤید بساطع حججہ و واضح بیناتہ و علی آلہ واصحابہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین ھداۃ طریق الحق و حماتہ

امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ تعالی المتوفی 606ھ اپنی مایہ ناز تفسیر التفسیر الکبیر کے اندر مسئلہ وحدت الوجود سے متعلق سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں المسئلۃ السادسۃ کا عنوان لگا کر لکھتے ہیں

المسألة السادسة : اعلم أن قولہ : (ھو اللہ أحد) ألفاظ ثلاثة وكل واحد منها إشارة إلى مقام من مقامات الطالبين :

فالمقام الأول : مقام المقربين وھو أعلى مقامات السائرين إلى اللہ وھؤلاء ھم الذين نظروا إلى ماھيات الأشياء وحقائقها من حيث ھي ھي ، فلا جرم ما رأوا موجودا سوى اللہ لأن الحق ھو الذي لذاتہ يجب وجوده ، وأما ما عداه فممكن لذاتہ والممكن لذاتہ إذا نظر إليہ من حيث ھو ھو كان معدوما ، فھؤلاء لم يروا موجودا سوى الحق سبحانہ ، وقولہ : (ھو) إشارة مطلقہ والإشارة وإن كانت مطلقہ إلا أن المشار إليہ لما كان معينا انصرف ذلك المطلق إلى ذلك المعين ، فلا جرم كان قولنا : " ھو " إشارة من ھؤلاء المقربين إلى الحق سبحانہ فلم يفتقروا في تلك الإشارة إلى مميز ؛ لأن الافتقار إلى المميز إنما يحصل حين حصل ھناك موجودان ، وقد بينا أن ھؤلاء ما شاھدوا بعيون عقولھم إلا الواحد فقط ، فلھذا السبب كانت لفظة : (ھو) كافية في حصول العرفان التام لھؤلاء .

(التفسير الكبير للرازي رحمة اللہ تعالي تحت تفسير سورة الاخلاص)

اس عبارت کی توضیح ذیل میں پیش کی جاتی ہے امام رازی رحمہ اللہ تعالی فرمارہے ہیں

کہ باری تعالی کے فرمان ھو اللہ احد میں تین الفاظ ہیں اور ہر ایک کے اندر مقامات طالبین کے ایک خاص مقام کی طرف اشارہ ہے۔

مقام اول یہ مقام مقربین کا مقام ہے اور یہ مقام سائرین الی اللہ کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے سو سائرین الی اللہ میں سے مقربین جب اشیاء کی ماھیات اور حقائق کی طرف من حیث ھی ھی دیکھتے ہیں تو بلاشبہ باری تعالی کے سوا کسی کا وجود نہیں پاتے اس لئے کہ الحق اس ذات کو کہتے ہیں جس کا وجود ذاتی و مستقل و قائم بنفسہ ہو اور جس کا وجود ذاتی و مستقل و قائم بنفسہ ہو وہ واجب الوجود ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں یہ کہ الحق اس ذات کو کہتے ہیں جو کہ واجب الوجود ہو، اور الحق کے ماسوا جتنی بھی اشیاء ہیں ہر ایک شیٔ کی ذات کا وجود ذاتی نہیں بلکہ عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہوتا ہے اور عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ذات کا وجود ممکن لذاتہ ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں الحق کے ماسوا ہر ایک شیٔ کی ذات کا وجود ممکن لذاتہ ہے اور ممکن لذاتہ کو جب من حیث ھو ھو دیکھا جائے تو وہ معدوم ہوتا ہے

لہٰذا جب باعتبار وجود الحق کی ذات کے ماسوا ہر شیٔ کی ذات عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہے اور باعتبار وجود الحق کی ذات ذاتی و مستقل و قائم بنفسہ ہے تو مقربین سوائے الحق سبحانہ کے کسی بھی شیٔ کے وجود کو بعلت سلبی ذاتی مستقل و قائم بنفسہ نہ ہونے کے اور بعلت ایجابی اس شیٔ کے وجود کو عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہونے کے معدوم سمجھتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ الحق کے ماسوا تمام اشیاء کا نفس الامر میں وجود ہوتا ہے لیکن بالغیر یعنی وہ غیر کی وجہ سے موجود ہوتے ہیں مگر مقربین الحق کے ماسوا ہر ایک شیٔ کو معدوم سمجھتے ہیں بعلت بنظر عقول ان کو نظر نہ آنے کے بعلۃ العلۃ ان کو قابل اعتناء ومعتد بہ نہ سمجھنے کے بعلۃ علۃ العلۃ ان اشیاء کا وجود عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہونے کے اور جس شیٔ کا وجود عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہو وہ اگرچہ نفس الامر میں وجود رکھتا ہے لیکن بالغیر یعنی غیر کی وجہ سے موجود ہوتا ہے مگر بعلت بنظر عقول صرف الحق کے نظر آنے کے بعلۃ العلۃ اسی کو قابل اعتناء ومعتد بہ سمجھنے کے بعلۃ علۃ العلۃ اس کے وجود کے ذاتی و مستقل و قائم بنفسہ ہونے کے مقربین صرف الحق

> کے وجود کو پاتے ہیں اور الحق کے ماسوا کسی بھی شئ کے بعلت بنظر عقول نظر نہ آنے کے بعلة العلة اسے قابل اعتناء و معتد بہ نہ سمجھنے کے بعلة علة العلة اس کے وجود کے عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہونے کے مقربین کے ہاں وہ معدوم ہوتا ہے۔

یہی مطلب ہے امام رازی رحمہ اللہ تعالی کے اس کلام "والممکن لذاتہ اذا نظر الیہ من حیث ھو ھو کان معدوما" کا۔

آگے امام رازی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں جس کی توضیح یہ ہے کہ

باری تعالی کا قول ھو یہ اشارہ مطلقہ ہے اور یہ اشارہ اگرچہ مطلقہ ہے مگر ہے مقیدہ اگرچہ اطلاق کی قید کے ساتھ مقیدہ ہے سو باعتبار افادہ تعین اگرچہ اطلاق کی قید کے ساتھ مقیدہ ہونے میں یہ اشارہ مطلقہ مفید نہیں ہے مگر بطور جملہ معترضہ کے مطلق اشارہ سے احتراز میں ضرور بالضرور مفید ہے ہاں البتہ باعتبار افادہ تعین اس طرح مفید ہے کہ مشار الیہ معین ہے سو ھو جو کہ اشارہ مطلقہ ہے مشار الیہ کے تعین کے سبب یہ اشارہ مطلقہ پوری طرح مکمل متوجہ ہو گیا مقید اطلاق سے اس معین کی طرف اور وہ معین حق سبحانہ ہے پس بلاشبہ مقربین کے اس ھو اشارہ مطلقہ سے اشارہ ہوا حق سبحانہ کی طرف سو مقربین کو اس ھو اشارہ مطلقہ میں کسی ممیز کی طرف محتاج ہونا نہیں پڑتا جس کی دلیل لمی یہ ہے کہ ممیز کی طرف احتیاج اس وقت پڑے جب وجود حقیقی دو ہوں اور تحقیق کے ساتھ ماقبل میں بیان ہو گیا کہ مقربین اپنی عقول کی آنکھوں سے صرف ایک وجود حقیقی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ ہے الحق سبحانہ بایں سبب لفظ ھو کافی ہو جاتا ہے مقربین کو عرفان تام ہونے میں اور یہ عرفان تام وجود حقیقی کا ہوتا ہے اور یہ وجود حقیقی صرف الحق کا ہے الحق کا وجود ذاتی و مستقل و قائم بنفسہ ہے اور الحق کے ماسوا ہر شئ کا وجود عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہے

خلاصہ

الحق کا وجود ذاتی و مستقل و قائم بنفسہ ہے اور جس شئ کا وجود ذاتی مستقل و قائم بنفسہ ہو اس کا وجود واجب الوجود ہوتا ہے سو واجب الوجود کا وجود ہی وجود حقیقی ہے اور الحق کے ماسوا ہر شئ کا وجود عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہے اور جس شئ کا وجود عارضی غیر مستقل و قائم بغیرہ ہوتا ہے اس کا وجود ممکن لذاتہ ہوتا ہے لہذا اگرچہ الحق کے

ماسوا ہر شئ کا وجود نفس الامر میں ہوتا ہے لیکن عارضی و غیر مستقل و قائم بغیرہ ہوتا ہے سو ممکن لذاتہ کا وجود عارضی و غیر مستقل و قائم بالغیر ہونے کی وجہ سے کالمعدوم ہوتا ہے۔

وحدت الوجود کا مطلب

وحدت الوجود کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وجود حقیقی باری تعالی کی ذات کو حاصل ہے جبکہ دیگر تمام موجودات کا وجود عارضی ہے اور وجود حقیقی کے مقابل میں دیگر موجودات کا وجود کالعدم ہے یہ عین توحید ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے۔ البتہ وحدت الوجود کا یہ معنی لینا کہ باری تعالی کا وجود تمام موجودات میں حلول کر گیا ہے جس کے سبب ہر موجود میں باری تعالی موجود ہے سو یہ باطل ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

مسئلہ وحدت الوجود سے متعلق باقیات فتاوی رشیدیہ میں ہے

> یہ بات ثابت ہے کہ وجود حقیقی ذات پاک حق تعالی ہی کے واسطے ہے اور باقی جملہ موجودات فانیہ موجود بوجود ظلی ہیں اور ظلی بہ نسبت حقیقی کے کالعدم ہوتا ہے بس مطلب ہمہ اوست کا یہ ہوا کہ جملہ موجود حقیقی واصلی وہ ذات پاک باقی ہے اور باقی جملہ موجودات معدوم و فانی ہیں یہ عین توحید ہے اور حق ہے نہ یہ مطلب ہے کہ جملہ موجودات موجودات ظلیۃ کو اصلیہ حقیقیہ اعتقاد کر کے سب موجودات عدمیہ فانیہ کو موجود حقیقی و عین ذات حق تعالی قرار دیں معاذاللہ یہ سخت شرک ہے مطلب اول و ثانی میں فرق زمین و آسمان کا ہے اول مراد عارفین ہے اور ثانی ملحدین جاہلین۔
>
> (باقیات فتاوی رشیدیہ سلوک واحسان 815 مسئلہ وحدۃ الوجود کی تحقیق ص423 ط دار الکتاب)

فتاوی عزیزی میں ہے

> این کلام خلاف شرع است اگر گویند این کلام حلول حق تعالی را در اشیاء بآن ذات مقدس اعتقاد می نماید پس کفر است
>
> اگر کوئی یہ کلام کرتا ہے تو یہ خلاف شرع ہے وہ یہ کہ حق تعالی سے متعلق اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حق تعالی نے تمام اشیاء میں حلول کیا ہوا ہے تو سو ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے
>
> (فتاوی عزیزی ص41 ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

حکیم الامت جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالی نے مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں اپنی تصنیف شریعت اور طریقت میں لکھا ہے

"وحدت الوجود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

قال اللہ تعالی یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدي الأمر أقلب اللیل والنھار

حق تعالی ارشاد فرماتے ہیں ابن آدم مجھ کو آزردہ کرتا ہے کہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں (آگے اس کی تفسیر آرہی ہے کہ) میرے ہی قبضے میں سب کام ہیں جو کہ زمانہ میں واقع ہوتے ہیں۔رات اور دن کو (کہ زمانہ کے حصے ہیں) میں ادل بدل کرتا ہوں (جس کی طرف آدمی واقعات کو منسوب کرتا ہے سو زمانہ تو مع مافیہ کے خود میرے قبضہ میں ہے پس یہ سب تصرفات میرے ہی ہیں تو اس کو برا کہنے سے درحقیقت مجھ کو برا کہنا لازم آتا ہے) روایت کیا اسے بخاری و مسلم و مالک وابوداؤد نے

(بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالی یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ،مسلم کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا باب النھی عن سب الدھر ، ابوداؤد اول کتاب الادب باب فی الرجل یسب الدھر ، مسند احمد مسند ابی ھریرۃ رقم 7245 ، مؤطا امام مالک کتاب الکلام باب ما یکرہ من الکلام رقم 2816)

ظاہر ہے کہ حق تعالی اور زمانہ دونوں متحد نہیں ہیں مگر باوجود عدم اتحاد کے ایک تاویل سے جس کی تقریر بضمن ترجمہ کی گئی ہے لفظ اتحاد کا حکم کیا ہے؟ محققین کے نزدیک اسی تاویل سے اوست کا حکم ہمہ پر کیا گیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہمہ کا جو مصداق ہے وہ سب مع اپنے افعال و آثار قبضہ حق میں ہے پس متصرف حقیقی و موجود مستقل صرف حق تعالی ہے ہمہ کوئی چیز نہیں پس حدیث سے اس قول صوفیہ کی تائید ظاہر ہے کل ممکنات تو موجود ظاہری ہیں اور حقیقت میں کوئی موجود حقیقی یعنی موصوف بکمال ہستی نہیں بجز ذات حق کے۔

=÷=

اسی مضمون کو ہمہ اوست سے تعبیر کر دیتے ہیں مطابق محاورات روز مرہ کے یہ ایک جملہ ہے جس طرح کوئی حاکم کسی فریاد خواہ سے کہے کہ تم نے پولیس میں رپٹ لکھوائی؟ تم نے کسی وکیل سے بھی مشورہ کیا؟ اور وہ عرض کرے کہ جناب پولیس اور وکیل سب آپ ہی ہیں ظاہر ہے اس کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہوتا کہ حاکم اور پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہیں ان میں کچھ فرق نہیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور وکیل کوئی چیز قابل شمار نہیں آپ ہی صاحب اختیار ہیں اسی طرح یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمہ اور او ایک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں صرف او کی ہستی لائق شمار ہے اور باقی جتنے موجودات ہیں ہستی تو ان کی بھی واقعی ہے مگر ان کی ہستی کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے حقیقی یعنی کامل نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر صفت میں دو مرتبے ہوتے ہیں۔

ایک کامل ایک ناقص اور یہ قاعدہ ہے کہ کامل روبرو ناقص ہمیشہ کالعدم سمجھا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی ادنیٰ درجہ کا حاکم اپنے اجلاس میں شان حکومت دکھلا رہا تھا پندار ے منصب کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا کہ ناگہاں بادشاہ وقت برسر اجلاس بطریق دورہ آپہنچا اس کے دیکھتے ہی ہوش اڑ گئے اور پندار و دعویٰ و نشہ و غرور ہرن ہو گیا اب جو اپنے اختیارات کو اقتدار شاہی کے روبرو دیکھتا ہے تو اس کا کہیں نام و نشان نہیں پاتا نیچے کو گڑا جاتا ہے نہ آواز نکلتی نہ سر اوپر اٹھتا ہے اس وقت اس کا منصب و عہدہ معدوم نہیں ہوا مگر کالعدم ضرور ہے۔

پس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ گو ممکنات موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو وجود دیا ہے موجود کیوں نہ ہوتے مگر وجود حق کے روبرو ان کا وجود نہایت ناقص و ضعیف و حقیر ہے اس لئے وجود ممکن کو وجود حق کے روبرو گو عدم نہ کہیں گے مگر کالعدم ضرور کہیں گے جب یہ کالعدم ہوا تو وجود معتدبہ ایک ہی رہ گیا یہی معنی وحدت الوجود کے ہیں کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گو دوسرا ہے سہی مگر ایسا ہے جیسا نہیں ہے اس کو مبالغتاً وحدت الوجود کہا جاتا ہے حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مردہ کے

کہ گو نعش مردہ بھی کسی درجہ کا وجود رکھتی ہے آخر جسم تو ہے مگر زندہ کے روبرو اس کی ہستی قابل اعتبار نہیں کیونکہ مردہ کی ہستی ناقص ہے اور زندہ کی ہستی کامل کامل کے سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے

اس مسئلہ کو مرتبہ تحقیق علمی میں توحید کہتے ہیں جس کی تحصیل کوئی کمال نہیں اور جب یہ سالک کا حال بن جائے تو اس مرتبہ میں فنا کہلاتا ہے یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے اور یہی حاصل وحدت الشہود کا ہے جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ اس کا ترجمہ ہے ایک ہونا شہود کا یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہے مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں جیسا اوپر کی مثالوں سے واضح ہو چکا ہے ایک اور مثال سب سے واضح تر شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے

مگر دیدہ باشی کی در باغ باغ
بتابد بشب کرمک چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغک شب فروز
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کا تشیں کرمک خاک زاد
جواب از سر رو شنائی چہ داد
کہ من روز وشب جز بصحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

یعنی جگنو جو رات کو مانند چراغ کے چمکتا ہے اس سے کسی نے کہا کہ تو دن میں باہر کیوں نہیں نکلتا؟ تو اس نے بہت ہی اچھا جواب دیا کہ میں رات دن جنگل میں ہی ہوتا ہوں لیکن سورج کی روشنی کے سامنے میری روشنی ظاہر نہیں ہوتی۔

پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے کما قال مرشدی رحمہ اللہ مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا جو بہ نسبت عنوان متروک کے اس معنی میں زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ لفظ وحدۃ الوجود کی

دلالت معنی مذکور پر مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت اس معنی پر حقیقی ہے اور دلیل نقلی اس مسئلہ کی یہ ہو سکتی ہے (کل شئ ھالک الا وجھہ) جیسا شارح عقائد نسفی نے تفسیر کی ہے ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقتاً اللہ تعالی کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالی کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سایہ کے ہیں سو سائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالی کوئی جسم ہے یہ عالم اس کا سایہ ہے بلکہ سایہ کے معنی وہ سایہ ہے جیسے کہا کرتے ہیں ہم آپ کے زیرِ سایہ رہتے ہیں یعنی آپ کی حمایت اور پناہ میں اور ہمارا امن و عافیت آپ کی توجہ کے بدولت ہے اسی طرح چوں کہ ہمارا وجود بدولت عنایت خداوندی ہے اس لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہو گا اور وجود کو واحد کہا جاوے گا یہ وحدۃ الوجود ہے اور اگر اسکا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے ہی نہیں گو غلبہ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آوے یہ وحدۃ الشہود ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ نور ماہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے اگر اس نور ظلی کا اعتبار نا کیجئے تو صرف آفتاب کو منور ماہتاب کو تاریک کہا جاوے گا یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس نور کا اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ آثار خاصہ ہیں گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جاوے یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے مآل کار دونوں کا ایک ہے اور چوں کہ اصل اور ظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں عینیت سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے یہ تو صریح کفر ہے چنانچہ وہی صوفیہ محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ لغوی مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جاوے وہ کلام حالت سکر کا ہے نہ قابل ملامت ہے نہ لائق نقل و تقلید۔ مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ سے ہیں کسی نص کے مدلول سے نہیں ایسے مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ

کسی نص سے متصادم نہ ہوں یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر نص اس کی محتمل ہو تو درجہ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور اس کو درجہ احتمال سے بڑھادینا غلو ہے اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو تو اس کا دعویٰ کرنا احتمالا یا جزماً صریح تحریف ہے نص کی البتہ اگر وہ دعویٰ بطور تفسیر یا تاویل کے نہ ہو محض بطور علم اعتبار کے ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ حکم اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار داخل حدود ہے اور اگر وہ کسی اور نص سے ثابت نہ ہو تو وہ بھی تکلف ہے۔

ضروری وصیت

اول تو تمام مسائل کلامیہ میں عموماً اور ان میں سے ان مباحث میں جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے خصوصاً بدوں قطعی عقلی یا نقلی کے محض ظنیات کی بناء پر کشف سب سے انزل ہے کوئی حکم کرنا خصوص حکم جازم کرنا بلکہ بلا ضرورت کچھ بھی گفتگو کرنا سخت محل خطر و خلاف مسلک سلف صالحین ہے اور جن بزرگوں نے کچھ کلام کیا ہے ان میں اکثر کی غرض محض اہل اہوا کا دفع تھا (جیسا حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالی نے بغرض اصلاح غلاۃ وجودیہ اس میں کلام فرمایا) گو بعض نے اس کو مقصود بنالیا جو کہ خلاف احتیاط ہے اسلم ایسے مسائل میں یہی ہے کہ نصوص سے تجاوز نہ کریں اور سلف کے مسلک پر اور ان کے اس ارشاد پر کہ (ابهموا ما أبهمه الله تعالى) عمل رکھیں، اور اگر کوئی حقیقت زائدۃ علی النص کسی دلیل ظنی سے کہ کشف بھی اس میں داخل ہے منکشف ہو اور کسی دلیل عقلی قطعی اور نیز کسی نص قطعی یا ظنی کے مخالف بھی نہ ہو تو اس میں بھی خوض نہ کریں دونوں جانب کو محتمل سمجھتے رہیں چوں کہ یہ مسئلہ متکلم فیہا بھی ان ہی مسائل سے ہے جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے کیوں کہ حاصل اس کا ارتباط الحادث بالقدیم ہے اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھیں اور اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کے ساتھ رکھیں کہ عالم پہلے ناپید تھا اللہ تعالی نے اس کو اپنے علم وقدرت وارادہ سے پیدا فرمایا باقی یہ کہ کس طرح پیدا فرمایا اس میں نہ خوض کریں نہ کلام کریں جیسے مسئلہ قدر میں احادیث میں بھی تعلیم منصوص ہے اجمال کے

درجہ میں اس کے اعتقاد کو فرض اور شرط ایمان فرمایا اور تفصیل کے درجہ میں خوض یا کلام کو منع فرمایا ہے۔

(شریعت وطریقت بعنوان وحدت الوجود ص309 تا313 ط مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی102)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالی مسئلہ وحدتِ الوجود سے متعلق لکھتے ہیں

وحدت الوجود کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود صرف ذات باری تعالی کا ہے اس کے سوا ہر وجود بے ثبات فانی اور نا مکمل ہے ایک تو اس لئے کہ وہ ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گا دوسرے اس لئے کہ ہر شي اپنے وجود میں ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے لہذا جتنی اشیاء ہمیں اس کائنات میں نظر آتی ہیں انہیں اگرچہ وجود حاصل ہے لیکن اللہ کے وجود کے سامنے اس وجود کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے وہ کالمعدوم ہے۔

اس کی نظیر یوں سمجھئے جیسے دن کے وقت آسمان پر سورج کے موجود ہونے کی وجہ سے ستارے نظر نہیں آتے وہ اگرچہ موجود ہیں لیکن سورج کا وجود ان پر اس طرح غالب ہو جاتا ہے کہ ان کا وجود نظر نہیں آتا۔

اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالی نے حقیقت شناس نگاہ دی ہو وہ جب اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت حاصل کرتا ہے تو تمام وجود اسے ہیچ ماند بلکہ کالعدم نظر آتے ہیں بقول حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالی

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

وحدت الوجود کا یہ مطلب صاف واضح اور درست ہے اس سے آگے اس کی جو فلسفیانہ تعبیرات کی گئی ہیں وہ بڑی خطرناک ہیں اور اگر اس میں غلو ہو جائے تو اس عقیدہ کی سرحدیں کفر تک سے جاملتی ہیں اس لئے ایک مسلمان کو بس سیدھا سادھا یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود اللہ تعالیٰ کا ہے باقی ہر وجود نا مکمل اور فانی ہے۔

(فتاوی عثمانی ج1 ص72/71 ط ادارۃ المعارف)

=÷=

محی الحق والدین مربی العارفین قدوۃ العارفین صاحب الولایۃ العظمی امام التحقیق العارف الکبیر مجدد الملۃ الحنیفیۃ الکبریت الاحمر الشیخ الکامل بحر المعارف الالھیۃ قدوۃ القائلین بوحدۃ الوجود الشیخ الاکبر محمد بن علی بن محمد بن عربی رحمۃ اللہ تعالی الحاتمی الطائی الاندلسی الشھیر ب_ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ تعالی کی بعض عبارتیں اپنے ظواہر وبواطن ہر دو لحاظ سے کافی پر اسرار اور پیچیدہ ہیں تشنگان معرفت نے ان کی کتابوں کو آنکھوں سے لگایا اور ان میں معرفت الہی کی راہیں تلاش کیں شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کی عبارتیں ایک بحر زخار کی طرح ہیں جس میں مختلف علوم ومعارف کے چشمے جاری ہیں آب شیریں اور آب نمکین حسب مذاق اور بقدر ظرف ہر شخص کو اپنے پینے کی جگہ معلوم ہے۔ بعض آب شیریں نوش کرتے ہیں اور بعض آب نمکین ہی کو سمندر کا کل حصہ گمان کر لیتے ہیں آب شیریں نوش کرنے والے علوم و معارف کے میدان میں دل کی گہرائیوں سے آپ کے کمال و روحانیت کی شہادت دیتے ہیں۔

آپ کی شخصیت اس قدر متنوع اور محیر العقول ہے کہ طہارت باطنی وسیع العلمی قادر الکلامی اور تمام جزئیات اور مختلف الانواع کلمات کی تعبیر و تفسیر میں آپ کا کوئی نظیر نہیں ملتا۔

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کے ارباب علم وحکمت کا ایک کثیر طبقہ ہے جنھوں نے شیخ رحمہ اللہ تعالی کے محیر العقول مصنفات ومؤلفات اور افکار و نظریات کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا اور ان کی علمی جلالت کمال و روحانیت اور تبحر و تحقق وتدقق کو تسلیم کیا انہیں ولی کامل عارف باللہ اور علم اسرار وحقائق کے مخزن کی حیثیت سے قبول کیا ان کے دفاع وتائید میں کتابیں لکھیں علماء سے مناظرے کئے اور آفاق عالم میں ان کے کلمات کی حقیقی تعبیر و تشریح کے لئے کوشاں رہے۔ ان میں شیخ کے معاصرین بھی آتے ہیں اور بعض متاخرین بھی آتے ہیں بطور مشتے از نمونہ خروارے چند علماء معاصرین ومتاخرین کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے

- شیخ ابو حامد غزالی م505ھ
- شیخ عبد القادر جیلانی م561ھ
- شیخ شہاب الدین سہروردی م587ھ
- شیخ ابو الحسن علی بن عبد اللہ شاذلی م591ھ
- ابو الولید محمد بن احمد المعروف ابن رشد م595ھ

- ❖ فخر الدین الرازی م606ھ
- ❖ شیخ فرید الدین عطار م627ھ
- ❖ شمس الدین خوبی م637ھ
- ❖ ابو عبد اللہ مقدسی م643ھ
- ❖ سعد الدین محمد بن مؤید حموی م650ھ
- ❖ شیخ عز الدین بن عبد السلام م660ھ
- ❖ شیخ جلال الدین رومی م672ھ
- ❖ شیخ صدر الدین قونوی م673ھ
- ❖ شیخ ابو یحی زکریا قزوینی م682ھ
- ❖ شیخ قطب الدین شیرازی م710ھ
- ❖ عبد الرزاق القاشانی م730ھ
- ❖ شیخ صلاح الدین صفدی م764ھ
- ❖ شیخ سراج الدین بلقینی م805ھ
- ❖ شیخ مجد الدین فیروز آبادی م817ھ
- ❖ شیخ علاء الدین مہائمی م835ھ
- ❖ شیخ سراج الدین مخزومی م885ھ
- ❖ شیخ جلال الدین سیوطی م911ھ
- ❖ شیخ قطب الدین دمشقی م950ھ
- ❖ شیخ عبد الوھاب شعرانی م973ھ
- ❖ شیخ ابن حجر ھیتمی م974ھ
- ❖ شیخ زین الدین مناوی م1031ھ
- ❖ شیخ مجدد الف ثانی سرھندی م1034

=÷=

- شیخ ابراھیم بن حسن کورانی م1101ھ
- شیخ عبد الغنی نابلسی م1143ھ
- شیخ شاہ ولی اللہ م1176ھ
- شیخ شاہ رفیع الدین دھلوی م1233ھ
- شیخ شاہ عبد العزیز دھلوی م1239ھ
- شیخ امداد اللہ مہاجر مکی م1317ھ
- شیخ رشید احمد گنگوہی م1323ھ
- شیخ اشرف علی تھانوی م1362ھ رحمھم اللہ تعالی وغیرہ وغیرہ ارباب علم وحکمت کے اس طبقے میں کافی نمایاں ہیں

شیخ رحمہ اللہ تعالی کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد

علامہ عبد الرحمن جامی رحمہ اللہ تعالی صاحب نفحات الانس م898ھ نے امام یافعی رحمہ اللہ تعالی م768ھ کی مراۃ الجنان کے حوالہ سے شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد ڈھائی سو سے کچھ زائد بتائی ہے مگر شیخ ابو الحسن علی بن ابراھیم قاری بغدادی رحمہ اللہ تعالی م8/ویں صدی ہجری نے الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین رحمہ اللہ تعالی م638ھ میں پانچ سو سے زائد تصنیفات کو شیخ رحمہ اللہ تعالی کی طرف منسوب کیا ہے ڈاکٹر عثمان یحی نے فرانسیسی زبان میں شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کی تصنیفات و تالیفات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے تحقیق وتدقیق کی روشنی میں شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کے 991 تصنیفات و تالیفات شمار کرائے ہیں ڈاکٹر محمد احمد طیب نے مؤلفات ابن عربی (رحمہ اللہ تعالی تاریخھا وتصنیفھا کے نام سے اس کی تعریب کی ہے جو الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب مصر سے 1991ء میں شائع ہو چکا ہے۔

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کی تائید ودفاع میں لکھی جانے والی چند کتب

۱: الاغتباط بمعالجة ابن الخياط للشيخ مجد الدين الفيروز آبادى م817ھ

۲: الرد على المعترضين على الشيخ محى الدين للشيخ مجد الدين الفيروز آبادى م817ھ

۳: كشف الغطاءعن اسرار كلام الشيخ محيى الدين للشيخ سراج الدين المخزومى م885ھ

۴: القول المنبی عن ترجمة ابن عربی للشیخ محمد بن عبد الرحمن سخاوی م904ھ
۵: تنبیٔة الغبی فی تبرئة ابن العربی للشیخ جلال الدین سیوطی م911ھ
۶: الیواقیت والجوهر فی بیان عقائد الاکابر للشیخ عبدالوہاب الشعرانی م973ھ
۷: الکبریت الأحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر للشیخ عبدالوهاب الشعرانی م973ھ
۸:القول المبین فی الرد عن الشیخ محیی الدین للشیخ عبدالوهاب شعرانی م973ھ
۹: مسئلة فیما تحصل فی کلام الناس فی محی الدین بن عربی للشیخ ابن حجر الهیتمی م974ھ
۱۰: شذرة من ذهب فی ترجمة سید طائر العرب للشیخ رضی الدین الهیثمی م1141ھ
۱۱: الرد المتین علی منتقص العارف محیی الدین للشیخ عبدالغنی النابلسی م1143ھ
۱۲: الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین للشیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قاری بغدادی م8ویں صدی ہجری
۱۳: الفیض بالحق الملقب بہ دمغ الباطل للشیخ شاہ رفیع الدین الدهلوی م1233ھ
۱۴:التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی للشیخ اشرف علی التهانوی م1362ھ

اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیر نظر کتاب **نصرة المعبود فی مسئلة وحدة الوجود** برادر مکرم حضرت مولانا عبد الرحمن عابد صاحب حفظہ اللہ تعالی تلمیذ رشید وکیل احناف مناظر اہلسنت والجماعت حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تالیف کردہ جس کے معدودے مقامات کا بندہ نے مطالعہ کیا ماشاءاللہ تعالی بہت ہی سہل انداز میں مسئلہ وحدت الوجود کو سمجھایا گیا ہے مزید برآں بابت ایں باب تصوف کی مشہور اصطلاحات عینیت ظهور مظهر واصل وغیرہ کی انتہائی دلنشین انداز میں توضیح کی گئی ہے معااندر ایں باب خصم کی تضاد بیانیوں کی خوب خبر لی گئی ہے تحقیقی والزامی کلام اس پر مستزاد ہے اللہ تعالی کرے زور قلم اور زیادہ، ماشاءاللہ تعالی اللّٰھم زد فزد

محمد محسن طارق الماتریدی مدرس جامعة ارشاد العلوم یوسفیة کفی بی عزا ان اکون للہ عبدا و کفی بی فخرا ان یکون اللہ لی ربا هو کما احب رجاء منہ ان یجعلنی کما یحب

(18 شوال 1444 بعد نماز ظہر)

=÷=

مولانا الیاس علی شاہ صاحب حفظہ اللہ

مماتیوں کا اصل عقیدہ اور تقیہ بازی

جب ہم مماتیوں کا اصل عقیدہ ان کی کتب سے پیش کرتے ہیں کہ تعلق الروح بالابدان کے وہ قائل نہیں جیسے ان کی کتاب شفاء الصدور میں مصرح ہے:

"اور ان ارواح کو اجسام مثالیہ بھی ملتے ہیں، وہ ارواح قیامت تک اپنے مستقر برزخیہ میں رہتے ہیں۔ اس جسد عنصری سے ان کا اتصال ثابت نہیں"

(شفاء الصدور مترجم صفحہ 21)

بعض مماتی کہتے کہ ہم تعلق روح کے قائل ہیں منکر نہیں لیکن جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ عقائد کے باب میں آپ جو تعلق کے قائل ہیں منکر نہیں اس کی دلیل شرعی بیان کریں تو دلیل بیان کرنے سے بھاگ جاتے ہیں۔ اب آپ کے سامنے میں مماتیوں کی وہ عبارات پیش کرتا ہوں جس میں تعلق الروح کا ذکر کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ ان کے ہاں تعلق روح کی پوزیشن وہی ہے جو عام طور پر ایک بدعت کی بیان کی جاتی ہے۔

1: مماتیوں کا مفتی منیر شاکر لکھتا ہے:

"اگر دنیا میں انصاف پسند لوگ ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ روح کا جسد خاکی کے ساتھ تعلق کا تین سو سال تک کوئی وجود نہ تھا اور نہ ہی کوئی تین صدیوں کے اندر اسکا ثبوت پیش کر سکتے ہیں البتہ چوتھی صدی ہجری میں بعض حضرات نے کچھ احادیث کی تطبیق کے لئے یہ راستہ اختیار کیا"

(البرھان علی من اعرض عن القرآن صفحہ 166)

2: مماتیوں کا علامہ خضر حیات لکھتا ہے:

"باقی رہی اکابرین کی بات!! تو عرض ہے کہ پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں تعلق روح بجسد عنصری کا کوئی ذکر نہیں ملتا، متاخرین حضرات نے تعلق کا قول فرمایا ہے، اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے مطابق اس کی مختلف تعبیرات ذکر فرمائی ہیں، کسی نے اشراق سے۔۔۔، کسی نے اشراف سے۔۔۔، کسی نے التفات سے۔۔۔، کسی نے تعلق صاحب خانہ بخانہ

سے۔۔۔، کسی نے تعلق عاشق بمعشوق۔۔۔وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایاہے(آگے لکھتا ہے)
یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ایسے غیر معلوم الکیف تعلق کے نہ ہم منکر، اور نہ ہی اسے منصوص سمجھتے ہیں"

(المسلک المنصور ص58)

3: مولف جواہر القرآن لکھتے ہیں:

"باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ کے ارشادات واقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً واثباتاً ذکر اذکار ہے۔۔(آگے لکھتا ہے)
البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے کسی نے اتصال معنوی سے کسی نے اشراق سے کسی نے اشراف اور کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ وعاشق بمعشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایاہے۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ حیاتِ دنیا میں تھا بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت و کنہہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس لئے عالم برزخ میں تعلق ارواح بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے کیونکہ قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر اذکار نہیں لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں کیونکہ متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔"

(جواہر القرآن ج1ص194)

ان تین عبارات سے واضح ہے کہ مماتیوں کے ہاں تعلق الاروح بالابدان کی پوزیشن کیا ہے؟ ملاحظہ کیجئے

1: تعلق روح بالبدن کا کوئی ثبوت نہیں، نہ کتاب اللہ میں نہ سنت رسول اللہ میں نہ خیر القرون میں۔

2: چوتھی صدی کے بعد کے شارحین نے بعض حدیثوں کی تطبیق کے سلسلے میں اس کو مختلف عنوانات سے ذکر کیا۔

3: مماتی اس کے منکر نہیں لیکن منصوص بھی نہیں سمجھتے۔ احوط مسلک سکوت کا ہے مگر اس کا قائل قابل ملامت بھی نہیں۔

پہلی بات: ہم مماتی حضرات سے بصد احترام پوچھتے ہیں کہ دین کے اندر (اور وہ بھی باب عقیدہ میں) ایسی بات ایجاد کرنا جس کا ثبوت تمہارے نزدیک نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے نہیں ملتا بلکہ قرون ثلٰثہ بھی اس کے ذکر واذکار سے خالی ہیں کیا یہ احداث فی الدین اور بدعت فی العقیدہ نہیں؟ اور اس کا ذکر قرون ثلاثہ میں نہیں تو اس کا قائل قابل ملامت کیوں نہیں؟ جب اس کا ثبوت نہ قرآن سے نہ سنت سے نہ خیر القرون سے ہے تو کیا چوتھی صدی کے شارحین اور قرون ثلثہ کے بعد کے متقدمین کو اس کی ایجاد کی اجازت ہو سکتی ہے؟

پھر متقدمین کی کثیر تعداد کیوں اس تعلق کا قائل رہی؟؟

دوسری بات: آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں متاخرین نے تعلق روح کو مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کیا یہ بعض احادیث قرون ثلثہ کے بعد کی پیداوار ہے؟

تیسری بات: آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ "چوتھی صدی کے بعد کے لوگوں نے تعلق روح بالبدن کو مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے" تو عرض ہے کہ چوتھی صدی سے پہلے خیر القرون میں میں بھی اسے مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے جیسے اعادۃ الروح سے، رد الروح سے۔ خیر القرون میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالی نے اس کی تصریح کی ہے پھر یہ بات آپ لوگوں کس طرح کہتے ہیں کہ قرون ثلثہ اس کے ذکر واذکار سے خالی ہے؟ بلکہ اس کا ثبوت سنت مشہورہ فتعاد روحہ فی جسدہ سے بھی ملتا ہے۔ اس سنت کو خیر القرون میں ہی محدثین کی ایک معتدبہ جماعت نے بیان کر دیا ہے۔ پھر کیسے کہتے ہو کہ خیر قرون سے اس کا ثبوت نہیں ملتا؟

محترم محمد مدثر علی راؤصاحب حفظہ اللہ (قسط:۱)

قادیانیت کی گرتی دیوار کو غامدیت کا سہارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم، عقیدہ ختم نبوت ایمان کی اساس ہے۔خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سب سے پہلے خود اپنی نبوت پر ایمان لائے اس کے بعد لوگوں کو اسکی دعوت دی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے عقیدہ توحید سنا اور اس پر ایمان لے آئے یعنی عقیدہ ختم نبوت کے ذریعے ہی انہیں عقیدہ توحید کی معرفت حاصل ہوئی۔

روز اوّل سے ہی دشمنان اسلام نے منصب ختم نبوت کا انکار کیا اور عقیدہ ختم نبوت پر حملہ آور ہو کر اسلام کیخلاف فتنوں کو اٹھایا اور انہیں پروان چڑھایا جس کے نتیجہ میں سینکڑوں مسلمان ارتداد کا شکار ہو گئے۔

عقیدہ ختم نبوت کے انکار کا سلسلہ جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے چلتا ہوا مسیلمہ پنجاب یعنی مرزا غلام احمد قادیانی تک جا پہنچا۔ برصغیر پاک وہند میں جب مرزا قادیانی کے فتنے نے سر اٹھایا تو وارثین انبیاء کرام، علمائے ربانیین نے صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس فتنے کا استیصال کیا اور ہر محاذ پر اس کے کفر وارتداد کا مقابلہ کر کے نہ صرف اسکا راستہ روکا بلکہ اپنے مسلمانوں کے عقائد وایمان کا بھی تحفظ کیا۔

دور حاضر کے استشراقی مؤقف رکھنے والے ایک جدت پسند میڈیا سکالر جاوید احمد غامدی نے تصوف کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے مرزا قادیانی کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی جس میں انہوں نے مرزا قادیانی کی بھرپور وکالت کرتے ہوئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی کہ گویا مرزا قادیانی کا معاملہ بھی صوفیاء کرام کی طرح کا ایک معاملہ ہے نیز غامدی صاحب نے صوفیاء کرام اور مرزا قادیانی دونوں کو ایک ہی قطار میں لا کر کھڑا کر دیا جو کہ نہایت ہی افسوس ناک بات ہے۔غامدی صاحب کا یہ لیکچر آج بھی یوٹیوب پر "مرزا قادیانی کی حقیقت اور تصوف اور اسلام" کے نام سے موجود ہے۔

غامدی صاحب کے لیکچر کے تین حصے ہیں جس میں پہلا حصہ صوفیاء کی عبارات پر، دوسرا حصہ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت اور مسیحیت پر اور تیسرا حصہ عقیدہ ختم نبوت پر ہے۔

=÷=

موصوف نے اس سارے معاملے کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ جو کوئی بھی انکے لیکچر کو سنے گا وہ یہی سمجھے گا کہ مرزا قادیانی نے جو کچھ بھی دعویٰ جات کیے وہ سب کچھ صوفیانہ تعبیرات ہیں۔ اب ہم غامدی صاحب کے اس لیکچر کا تفصیل کیساتھ تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔

کیا مرزا قادیانی مناظر اسلام تھا؟

غامدی صاحب نے اپنے لیکچر میں مرزا قادیانی کی سیرت کے حوالے سے اسے صوفی اور بہت سارے مناظرے کرنے والا کہا جبکہ حقیقت میں مرزا قادیانی نے مدت العمر میں صرف پانچ مناظرے کئے جن کی تفصیل مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 220 پر یوں بیان کی ہے۔

1: ماسٹر مرلی دھر آریہ کے ساتھ بمقام ہوشیار پور مارچ 1886ء میں

2: مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ بمقام لدھیانہ جولائی 1881ء میں

3: مولوی محمد بشیر بھوپالی کے ساتھ بمقام دہلی اکتوبر 1891ء میں

4: مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ بمقام لاہور جنوری وفروری 1892ء میں

5: ڈپٹی عبداللہ آتھم مسیحی کے ساتھ بمقام امرتسر مئی وجون 1893ء میں

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ پانچوں مناظرے تحریری تھے اگر مرزا قادیانی کو قوت گویائی سے کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو آخر کبھی تو وہ تقریری مناظرے کی ہمت بھی کرتا لیکن وہ مرد میدان نہیں تھا۔

یہاں یہ امر بھی قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گا کہ مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ مناظرے کا موضوع بحث یہ تھا کہ کیا محدث کسی حیثیت سے نبی ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ مرزا قادیانی کے مناظروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے اپنے لوگ عیسائی ہو کر مرتد ہو گئے دیکھیے (روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 169-173)

قارئین کرام!

اب آپ یہاں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس شخص نے زندگی میں صرف پانچ مناظرے کیے اور اس میں بھی اس کے اپنے لوگ مرتد ہو گئے ایسے شخص کو غامدی صاحب مناظر اسلام بنا کر پیش کر رہے ہیں، عجیب۔

کیا مرزا قادیانی کوئی صوفی تھا؟

غامدی صاحب کا کہنا ہے مرزا قادیانی تصوف سے تعلق رکھتا تھا اور اس پر انہوں نے حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مرزا قادیانی کے بیٹے کی کتاب سیرت المہدی مرزا قادیانی کی زندگی پر لکھی ہوئی ہے اسے آپ لوگ پڑھ سکتے ہیں۔

قارئین کرام! اب ہم اسی کتاب سیرت المہدی کے تحت مرزا قادیانی کی سیرت کی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مرزا قادیانی صوفی تھا یا نہیں!

مرزا قادیانی کے بیٹے نے سیرت المہدی میں اپنے باپ کی جوانی کا نقشہ کچھ اسطرح کھینچا ہے۔۔۔

> "بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت مسیح تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور اِدھر ادھر پھراتا رہا۔ پھر جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ حضرت مسیح اس شرم سے واپس گھر نہیں آئے۔"

(سیرت المہدی، حصہ اوّل روایت 49 صفحہ 38-39)

نوٹ: جب یہ پنشن چوری کا واقعہ پیش آیا اس وقت مرزا قادیانی کی عمر 24 یا 25 سال تھی لہٰذا اگر غامدی صاحب یا انکا کوئی ہم خیال یہ نہ سمجھے کہ مرزا قادیانی کوئی معصوم بچہ تھا کہ جو بہکاوے میں آگیا۔

قارئین کرام! اس ایک واقعہ سے آپ حضرات مرزا قادیانی کے صوفی پن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ پھر اسی سیرت المہدی کتاب میں اور خود مرزا قادیانی کی اپنی کتب میں بھی کئی ایسے واقعات اور مرزا کے اقوال موجود ہیں جیسے کہ (مرزا قادیانی کا غیر محرم عورتوں سے ساری ساری رات اپنی خدمت کروانا، افیون کا استعمال کرنا، دوسروں کی بیٹی یعنی محمدی بیگم کے متعلق گھٹیا اشتہار شائع کروانا، اپنے مخالفین کو گالیاں دینا اور انہیں ڈرانا دھمکانا وغیرہ) ان سب سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرزا قادیانی کوئی صوفی نہیں بلکہ ایک آوارہ اور بدقماش انسان تھا لہٰذا غامدی صاحب کا مرزا قادیانی کو صوفی کہنا انکی عدم تحقیق یا پھر علمی خیانت ہو سکتی ہے لیکن حقیقت نہیں۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

یہاں پر ہم نے مرزا قادیانی کی سیرت کے متعلق درج بالا دعوؤں کو صرف اختصار کی خاطر تفصیل سے ذکر نہیں کیا البتہ طلب کرنے پر دیئے جاسکتے ہیں۔

حکیم نوردین کا مرزا قادیانی کو مشورہ اور غامدی صاحب کی وکالت:

غامدی صاحب اپنے لیکچر میں مرزا قادیانی اور حکیم نوردین کے مابین ہوئی خط و کتابت کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔۔۔

> "ایک خط ہے جو میسر نہیں ہو سکا حکیم نوردین صاحب کا جسکا جواب مرزا صاحب کے مکاتیب میں موجود ہے اور یہ جواب ہے 24 جنوری 1891 کا اور یہ جواب چھپا ہوا موجود ہے۔ اس میں خط کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکیم نوردین صاحب نے مرزا قادیانی صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے جو متصوفانہ کمالات ہیں اور جس طرح کے الہامات آپ کو ہو رہے ہیں اس کے بعد اگر مثیل مسیح کا دعویٰ کر دیا جائے تو حرج نہیں ہے۔"

قارئین کرام! درج بالا خط کشیدہ الفاظ میں آپ پڑھ سکتے ہیں کہ غامدی صاحب کیسے اپنی طرف سے ہی مرزا قادیانی کے متعلق متصوفانہ کمالات کے معاملے کو جوڑ رہے ہیں اور اس کی نسبت حکیم نوردین کی طرف کر رہے ہیں جبکہ غامدی صاحب خود یہ اقرار بھی کر رہے ہیں کہ انہیں حکیم نوردین کا خط کہیں سے بھی مل نہیں سکا لیکن پھر بھی غامدی صاحب نے اپنے الفاظ حکیم نوردین کے بنا ڈالے کیونکہ غامدی صاحب کی قدم قدم پر یہی ثابت کرنے کی کوشش رہی کہ مرزا قادیانی کا سارا معاملہ تصوف کے معاملے کیساتھ جوڑ کر رکھا جائے۔

مرزا قادیانی نے اپنے خط میں حکیم نوردین کے صرف اتنے الفاظ نقل کیے ہیں "کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔"

قارئین کرام! یہ تھے حکیم نوردین کے اصل الفاظ جن میں کہیں دور دور تک بھی اس بات کا شبہ نہیں پایا جاتا کہ حکیم نوردین نے متصوفانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے مرزا قادیانی کو مثیل مسیح ہونے کا مشورہ دیا ہوگا۔۔۔ لیکن غامدی صاحب نے چونکہ خاص کر اس سب کو تصوف کی نظر کرنا تھا لہٰذا موصوف نے اپنی طرف سے اس میں متصوفانہ کمالات کا ذکر شامل کر دیا۔

(جاری)

محترم محمد حذیفہ راحکوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناصبی آپس میں دست و گریباں

عبدالغفور سیالکوٹی ناصبی لکھتا ہے کہ:

"سبائیوں کی دسیسہ کاری نے بد قسمتی اور سنیوں کی غفلت کی وجہ سے اس کو مسلک اہل السنۃ کا ہی ایک جزبنادیا اور اس کو سنی مسلک کی حیثیت سے سنیوں کے صرف سفینوں میں ہی نہیں بلکہ سینوں تک میں داخل کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص اہل السنۃ بھی دیگر صحابہ کرام بالخصوص حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں جتنے حساس اور محتاط نظر آتے ہیں، محاربین حضرت علی بالخصوص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے حق میں اتنے ہی فیاض اور غیر محتاط نظر آتے ہیں، ان حضرات کو اگر کوئی "باغی" کہے تو وہ مسلک اہل السنّۃ ہے........الخ"

("دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ"، ص:96)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ سیالکوٹی کے نزدیک "مشاجرات صحابہ" کے مسئلے میں صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف "بغاوت" کی نسبت کرنا "سبائیت" ہے، اور اہل السنت والجماعت کی کتب اور سینوں میں یہ باتیں سبائیوں کی دسیسہ کاری کی وجہ سے داخل ہوئی ہیں، اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں، پروفیسر طاہر ہاشمی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

"وہیں یہ بات بھی ثابت ہوگئی ہے کہ عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف "تحریک بغاوت" میں حجر بن عدی کے معین و مددگار تھے اور ان کے "روساء" میں سے تھے بالآخر چھاپہ کے وقت فرار ہو کر موصل کے ایک غار میں روپوش ہوگئے تھے اور یہ (باغی ہونا یا بغاوت کا مرتکب ہونا....ناقل) بات "شرف صحابیت" کے ہرگز منافی نہیں ہے"

("سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سو اعتراضات کا علمی تجزیہ" صفحہ:487)

=÷=

مذکورہ عبارت میں ہاشمی نے واضح انداز میں صحابیِ رسول کی طرف "بغاوت" کی نسبت کی ہے اور ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ "باغی" ہونا یا "بغاوت" کا مرتکب ہونا "شرف صحابیت" کے منافی نہیں ہے، جبکہ سیالکوٹی کے نزدیک ایسا کہنا اور لکھنا "سبائیت" ہے، اب یہاں پر دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

1: سیالکوٹی کے فتوے کی رو سے طاہر ہاشمی "سبائی" ہے۔

2: سیالکوٹی اس بات سے ہی جاہل ہے کہ کون سی بات "سبائیت" ہے؟ اور کون سی "سبائیت" نہیں ہے؟

یزیدی حضرات دونوں شقوں میں سے جو بھی اختیار کریں ہمیں اس سے اتفاق ہے۔

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا یزید سے محبت نہیں کر سکتا

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہے:

"وأما ترک محبته، فلأن المحبة الخاصة إنما تكون للنبيين، والصديقين، والشهداء والصالحين، وليس واحدا منهم، وقد قال النبي صلى الله علية وسلم "المرء مع من أحب" ومن آمن بالله واليوم الآخر، لا يختار أن يكون مع يزيد، ولا مع امثاله من الملوک، الذين ليسوا بعادلين"

اور جہاں تک اس سے محبت ترک کرنے کی بات ہے، تو یہ اس لیے ہے کہ خاص محبت صرف انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے لیے ہے، جب کہ وہ ان میں سے کسی ایک طبقہ میں سے بھی نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر شخص اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے"

اور جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس بات کو اختیار نہیں کرے گا کہ وہ یزید کے ساتھ ہو اور نہ ہی اس جیسے دیگر بادشاہوں کے ساتھ جو کہ منصف نہیں تھے۔

(مجموعۃ الفتاوی 4/296)

=÷=

مولانا الیاس علی شاہ صاحب حفظہ اللہ

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفات کی مختلف تعبیرات

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ اقدس میں حیات حاصل ہے۔۔اس حیات کی علماء اہل السنۃ نے مختلف تعبیرات کی ہے سب کا قدر مشترک یہی ہے کہ یہ حیات روح وجسد کے مابین تعلق سے حاصل ہے۔اس حیات کی تعبیرات میں روح، جسد، عالَم اور خصائص کو مدنظر رکھا گیا۔

حیات روحانی: روح کی نسبت سے اس حیات کو روحانی کہا گیا لیکن مقصود اس سے جسد اطہر کے ساتھ تعلق کی نفی نہیں جیسے عالم دنیا کی زندگی کو جسمانی کہا جاتا ہے مقصود اس سے روح کے تعلق کی نفی نہیں ہوتی۔

حیات جسمانی یا دنیوی: جسد دنیوی عنصری کے اعتبار سے اس حیات کو جسمانی یا دنیوی کہا گیا مقصود اس سے یہ ہے کہ اس حیات کا تعلق جسد اطہر کے ساتھ ہے اور اس حیات کے بعض آثار واحکام دنیا میں ثابت ہے، مقصود اس سے یہ نہیں کہ یہ عالم دنیا کی حیات ہے اور دنیا والی حیات کے تمام لوازم واحکام اس میں ثابت ہے۔

حیات برزخی: عالم (قبر وبرزخ) کے اعتبار سے اس حیات کو برزخی کہا جاتا ہے مقصود اس سے یہ ہے کہ یہ حیات وفات پانے کے بعد کی حیات ہے جو عالم قبر وبرزخ میں حاصل ہے عالم دنیا کی ظاہری حیات نہیں بلکہ دنیا والوں کے حق میں ولکن لا تشعرون کے درجے میں ہے، مقصود اس سے جسد اطہر کے ساتھ تعلق کی نفی نہیں۔

حیات حسی: اس حیات کی تعبیرات میں کبھی لفظ "حسی" بھی ہم کو ملتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ یہ حیات خود موصوف کے حق میں محسوس ہے انہیں خود اپنی حیات کا احساس ہے یہ مقصود نہیں کہ دنیا والوں کو بھی محسوس ہے۔

الغرض اگر ان تعبیرات سے قطع نظر دیکھا جائے تو سب کا قدر مشترک یہی ہے کہ یہ حیات روح وجسد کے مابین تعلق سے حاصل ہے۔ خود یہ قدر مشترک ان مختلف تعبیرات اختیار کرنے والوں علماء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

شرائط و ضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلیئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ رابطہ نمبر: 03428970409